اردو کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری



اُردو کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری

مرتبہ : پرکاش پنڈت



مکتبۂ جہانِ اُردو
سمن آباد ، لاہور

قیمت ۵۰/-

مطبوعہ: ندیم یونس پرنٹرز: لاہور



اُردو کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری

نظیؔر اکبر آبادی اور اکبر الہ آبادی سے لے کر جوش ملیح آبادی اور آسی عبدالباری تک اُردو کے پینتیس ۳۵ مشہور و معروف شاعروں کی بہترین طنزیہ و مزاحیہ شاعری سے چھلچھلاتا یہ مجموعہ آپ کو ہنسنے، خوب ہنسنے اور پھر ہنستے ہنستے ایکا ایک سنجیدہ ہو جانے کی دعوت دیتا ہے۔ دعوت قبول فرمائیے اور پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے؟

میزبان ہیں اُردو شاعری کے مستند مُرتّب پرکاش پنڈت اور پتہ ہے آپ کے شہر کا ہر بک اسٹال!

میں نے ٹھیٹ صاف جو اُردو میں بات کی!

بولیں تنک کے اُف مری قسمت میں یہ گنوار

ترتیب

نظمیں

شوکت تھانوی

راجہ مہدی علی خاں

سیّد محمد جعفری

مجید لاہوری

غلام احمد فرقت

عصمت اللہ بیگ دہلوی

ظریف لکھنوی

قہقہے زندگی کا دوسرا نام ہے۔ طنز و مزاح سے بھرپور شاعری کے اس انتخاب میں ایک ایک شعر پڑھ کر آپ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جائیں گے۔ پرکاش پنڈت کی ترتیب دی ہوئی طنزیہ و مزاحیہ شاعری کا انتخاب جو آپ کی تنہائیوں کو مسکراہٹوں سے بھر دے گا۔

شوکت تھانوی

فیملی پلاننگ

اے میرے بچّے، میرے لختِ جگر پیدا نہ ہو
یاد رکھ پچھتائے گا تُو، میرے گھر پیدا نہ ہو
تُجھ کو پیدائش کا حق تو ہے مگر پیدا نہ ہو
مَیں ترا احسان مانوں گا اگر پیدا نہ ہو
اے میرے بچّے، میرے لختِ جگر پیدا نہ ہو

ہم نے یہ مانا کہ پیدا ہو گیا، کھائے گا کیا
گھر میں دانے ہی نہ پائے گا تو بھنوائے گا کیا
اِس نکھٹّو باپ سے مانگے گا کیا، پائے گا کیا
دیکھ کہنا مان لے جانِ پدر پیدا نہ ہو
اے میرے بچّے، میرے لختِ جگر پیدا نہ ہو

یوں بھی تیرے بہن بھائیوں کی ہے گھر میں ریل پیل
بلبلاتے پھر رہے ہیں ہر طرف جو بے نکیل!

میرے گھر کے ان چراغوں کو میسّر کب ہے تیل
بجھ کے رہ جائے گا تو بھی بھول کر پیدا نہ ہو
اے میرے بچّے، میرے لختِ جگر پیدا نہ ہو

پالتے ہیں ناز سے کچھ لوگ کُتّے بلّیاں
دُودھ وہ جتنا پییں اور کھائیں جتنی روٹیاں!
یہ فراغت اے میرے بچّے تجھے حاصل نہیں
اُن کے گھر پیدا ہو اور بن کر بشر پیدا نہ ہو
اے میرے بچّے، میرے لختِ جگر پیدا نہ ہو

یوں ہی میں کپتان ہوں اولاد کی پوری ہے ٹیم
مفلسی میں ہو رہی ہے اور بھی حالت سقیم
اپنے زندہ باپ کا کہلائے گا تو بھی یتیم
بخش دے مجھ کو، میرے نورِ نظر پیدا نہ ہو
اے میرے بچّے، میرے لختِ جگر پیدا نہ ہو

شریکِ زندگی

اے شریکِ زندگی، اے زندگی بھر کے عذاب
آہ ہم دونوں کی اُلفت جو ہوئی کامیاب
عقد وہ جس نے محبت کا کیا خانہ خراب
زندگی کی ہر مسرّت رہ گئی ہے بن کے خواب

طالب و مطلوب دونوں صاحبِ اولاد ہیں
یعنی اپنے حق میں، ہم خود ہی ستم ایجاد ہیں

کیا ہُوا وہ دورِ حسرت اور ارمانوں کے دن
وہ ڈرامائی حسین راتیں وہ افسانوں کے دن
نغمہ ہائے عشق کی وہ بے بُری تانوں کے دن
تیری فرقت میں لتا کے عشقیہ گانوں کے دن

وہ تصوّر میں ہزاروں رنگ سے جلوہ فگن
اُودے اُودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن

کب کُھلے دروازہ تیرے گھر کا بس یہ انتظار
تیرا آنچل ہی نظر آجائے تو آئے قرار

اپنے دروازے پہ پلنگ میں ترا اُمیدوار
جیسے کوئی صبر والا کھیلے مچھلی کا شکار

دفعتاً چلمن ہلی اور دل کی دھڑکن بڑھ گئی
آنکھ سے اُچھلی نظر زینے پہ تیرے چڑھ گئی

اور ادھر بیتاب رکھتی تھی تجھے دل کی لگی
تو کبھی روزن میں تھی، چلمن کے پیچھے تھی کبھی

جو بڑے بوڑھے تھے تیرے وہ نہ تھے بالکل غبی
خاص کر والد ترے سلجھے ہوئے تھے آدمی

ایک دن بولے کہ برخوردار سچ کہتے ہیں ہم
عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم

مختصر یہ ہے کہ شادی ہو گئی پائی مُراد
چونکہ پاکستاں کے ہم ہیں اس لیے زندہ باد

اب جو دیکھا زندگی کو تو نظر آئی جہاد
عشق اپنا اس قدر سمٹا کہ اب ہے ایک یاد

عاشق و معشوق ہیں اور کثرتِ اولاد ہے
اے شریکِ زندگی شادی بڑی افتاد ہے

خوابِ آزادی

اپنی آزادی کا دیکھا خواب میں نے رات کو
یاد کرتا ہوں میں اپنے خواب کی ہر بات کو

میں نے یہ دیکھا کہ میں ہر قید سے آزاد ہوں
یہ ہُوا محسوس جیسے خود میں زندہ باد ہوں

اب مجھے قانون کا ڈر کیا، میرا قانون ہے
خود ہی کوزہ، خود ہی کوزہ گر، وہی مضمون ہے

جتنی تھیں پابندیاں، وہ خود میری پابند ہیں
وہ جو "مائی باپ" تھے حاکم وہ سب فرزند ہیں

ملک اپنا قوم اپنی اور سب اپنے غلام
آج کرنا ہے مجھے آزادیوں کا احترام

جس جگہ لکھا ہے "مت تھوکو" میں تھوکوں گا ضرور
اب سزاوارِ سزا ہوگا نہ کوئی بھی قصور

اک ٹریفک کے پولیس والے کی کب ہے یہ مجال
وہ مجھے روکے میں رُک جاؤں یہ ہے خراب و خیال

میری سڑکیں ہیں تو میں جس طرح سے چاہوں چلوں
جس جگہ چاہے رکوں اور جس جگہ چاہے مڑوں

سائیکل میں رات میں بتی جلاؤں کس لیے
نار اس قانون کے آخر اُٹھاؤں کس لیے

ریل اپنی ہے تو آخر کیوں ٹکٹ لیتا پھروں
کوئی تو سمجھائے مجھ کو یہ تکلیف کیوں کروں

کیوں نہ رشوت لوں کہ جب حاکم ہوں میں سرکار ہوں
قانونی ہرگز نہیں ہوں اب میں تھانیدار ہوں

چور بازاری کروں یا شاہ بازاری کروں
مجھ کو حق ہے جس طرح چاہوں اپنا گھر بھروں

گھی میں چربی کے ملانے کی ہے آزادی مجھے
اب ڈرا سکتی نہیں گاہک کی بربادی مجھے

میں ستمگر ہوں، ستم پیشہ، ستم ایجاد ہوں
مجھ کو یہ حق پہنچتے ہیں کہ میں آزاد ہوں

یک بہ یک جب نیند سے چونکا تو دیکھا یہ حقیر
اپنی آزادی ہی کی پابندیوں کا ہے اسیر

وزیر کا فرمان

لوگو مجھے سلام کرو، میں وزیر ہوں
گردن کے ساتھ خود بھی جھکو، میں وزیر ہوں

گردن میں ہار ڈال دو میں جھک سکوں اگر
نعرے بھی کچھ بلند کرو، میں وزیر ہوں

تم ہاتھوں ہاتھ لو مجھے دورہ پر آؤں جب
موٹر کے ساتھ ساتھ چلو، میں وزیر ہوں

لکھے ہیں شاعروں نے قصائد میرے لیے
ایک آدھ نظم تم بھی کہو، میں وزیر ہوں

جو مجھ سے کہنے آؤ خبردار مت کہو
جو کچھ میں کہہ رہا ہوں سنو، میں وزیر ہوں

معذور ہوں میں اپنی وزارت سے بے طرح
تم طرحدار مجھ کو کہو، میں وزیر ہوں

بے شک ہے برہمی سی میری گفتگو کے بیچ
لیکن ادب سے سنو، میں وزیر ہوں

میں وہ نہیں کہ یوسفِ بے کارواں پھروں
میرا جلوس لے کے چلو، میں وزیر ہوں

اخبار والو سوچ سمجھ کر کرو سوال
جوں شیشہ میرے منہ نہ لگو، میں وزیر ہوں

مجھ سے قرابتوں کو بس اب بھول جاؤ تم
اے میرے بھائی بند گدھو، میں وزیر ہوں

مجھ کو تو مل گئی ہے وزارت کی زندگی
مرتے ہو تم تو جاؤ مرو، میں وزیر ہوں

راجہ مہدی علی خان

ڈاکوؤں سے انٹرویو

جی اِس بندے کو ویسے تو ابُو داؤد کہتے ہیں
بہت سے مہرباں لیکن ابُو المردُود کہتے ہیں
میرے والد فرید آباد کے مشہور ڈاکو تھے
خدا بخشے اُنہیں اپنے زمانے کے ہلاکو تھے
فرنگا باد کا تھانہ میرے نانا نے لوٹا تھا
وہ گیارہ سیر کا تالہ اسی بندے سے ٹوٹا تھا
نہیں تھا چور کوئی شہر میں دادا کے پائے کا
چرا کر گھر میں لے آئے تھے کُتا وائسرائے کا
میرے ماموں کے جعلی نوٹ امریکہ میں چلتے تھے
ہزاروں چور ڈاکو اِن کی نگرانی میں پلتے تھے
میرے پھوپھا چھٹے بدمعاش تھے اپنے زمانے کے
خدا بخشے بہت شوقین تھے وہ جیل خانے کے

میرے خالو کبھی نیو یارک میں جیبیں کترتے تھے
لبِ ساحل وہ گیارہ عورتوں سے عشق کرتے تھے

مگر نانا ولی اللہ تھے سونا بناتے تھے
حسین بیواؤں کو رو رو کے سینے سے لگاتے تھے

خُسر صاحب سخاوت پور کی رانی کو بھگا لائے تھے،
میرے ہم زُلف اس کی تین بہنوں کو اُٹھا لائے تھے

چچا میرے بہت مشہور تھے فنِ رذالت میں
مقدمہ ہار کر وہ ننگے ناچے تھے عدالت میں

میرے بھائی نے کی تھی فورٹونٹی چیف جسٹس سے
وہ جب بگڑا اجلا دیں اس کی مونچھیں اپنی ماچس سے

بڑے وہ لوگ تھے لیکن یہ بندہ بھی نہیں کچھ کم
خدا کا فضل ہے مجھ پر نہیں مجھ کو بھی کوئی غم

اجازت ہو تو اب بندہ اشارے ہی اشارے میں
بتا دے آپ کو تفصیل سے کچھ اپنے بارے میں

میں راجوں اور مہاراجوں کی جیبیں بھی کترتا تھا
چرس کوکین اور افیون کا دھندا بھی کرتا تھا

میرے معمولی شاگردوں نے چودہ بینک لوٹے تھے
میری کوشش سے باعزت بری ہو کر وہ چھوٹے تھے
عدالت مانتی تھی میری قانونی دلیلوں کو
کٹایا میں نے اندر شہر کے پندرہ وکیلوں کو
مسافر تین عدد پھینکے تھے ایروپلین سے میں نے
ہوابازوں کو بھی پٹیا تھا جا کر کیبن سے میں نے
اٹھارہ ڈاکوؤں کی پگڑیاں میں نے اتاری تھیں
کمر کے تھوڑا نیچے ٹھوکریں بھی ان کے ماری تھیں
نہ انکم ٹیکس دیتا تھا نہ سوپر ٹیکس دیتا تھا
میں اُلٹا اپنی سب انکم پہ ان سے ٹیکس لیتا تھا
جو دن میں نے گذارے، شان و شوکت سے گذارے ہیں
ذرا کچھ ان دنوں ہی میرے گردش میں ستارے ہیں
مجھے کرلیں جو شامل چوریوں میں اور ڈاکوں میں
یقیناً چند دن میں آپ سب کھیلیں گے لاکھوں میں
بڑا ہی میں سُور کا ...... بس جی بس آگے نہ کچھ کہئیے
اب اپنا فیصلہ، ہم کر چکے ہیں مطمئن رہئیے

فسانے آپ کے سن کر لبوں پر آگیا ہے ہم
بہت حیران ہیں اب آپ کی خدمت کریں کیا ہم

چلو بھاگو یہاں سے یہ تو اپنا باپ آیا ہے
یہ اک دن لُوٹ لے گا، ہم نے جو کچھ بھی کمایا ہے

سیّد محمد جعفری

ایبسٹریکٹ آرٹ

ایبسٹریکٹ آرٹ کی دیکھی تھی نمائش میں نے
کی تھی از راہِ مروّت بھی ستائش میں نے
آج تک دونوں گناہوں کی سزا پاتا ہوں میں
لوگ کہتے ہیں کیا دیکھا تو شرماتا ہوں میں
صرف کہہ سکتا ہوں اتنا ہی وہ تصویریں تھیں
یار کی زُلف کو سُلجھانے کی تدبیریں تھیں

ایک تصویر کو دیکھا جو کمالِ فن تھی
بھینس کے جسم پہ اِک اونٹ کی سی گردن تھی
ناک وہ ناک خطرناک جسے کہتے ہیں
ٹانگ کھینچی تھی کہ مسواک جسے کہتے ہیں
نقشِ محبوب مصوّر نے سجا رکھا تھا
مجھ سے پوچھو تو تپائی پہ گھڑا رکھا تھا

یہ سمجھنے کو کہ یہ آرٹ کی کیا منزل ہے
ایک نقّاد سے پوچھا جو بڑا قابل ہے
سبزۂ خط میں وہ کہنے لگا رعنائی ہے
میں یہی سمجھا کہ ناقص میری بینائی ہے
بولی تصویر جو میں نے اُسے اُلٹا پلٹا
میں وہ جامہ ہوں کہ جس کا نہیں سیدھا اُلٹا،
اس کو نقاد تو اک چشمۂ حیواں سمجھا
میں اسے حضرتِ مجنوں کا گریباں سمجھا
دیر تک بحث رہی مجھ میں اور اس میں جاری
تب یہ ثابت ہوا ہوتی ہے یہ اک بیماری

ایک تصویر کو دیکھا کہ یہ کیا رکھا ہے
ورقِ صاف پہ رنگوں کو گرا رکھا ہے
ٹیڑھی ترچھی سی لکیریں تھیں وہاں جلوہ فگن
جیسے ٹوٹے ہوئے آئینے پہ سورج کی کرن

بولا نقاد، جو یہ آرٹ ہے تجریدی ہے
آرٹ کا آرٹ ہے تنقید کی تنقید کی ہے
وہ خد و خال کہ ثانی نہیں رنگوں کا مزاج
بات یہ بھی ہے کہ ملتا نہیں رنگوں کا مزاج
اس کو کیو بزم کا آزار کہا کرتے ہیں
اس کے خالق جو ہیں، بیمار رہا کرتے ہیں

ایک تصویر جو دیکھی تو یہ صورت نکلی
جس کو سمجھا تھا اناناس وہ عورت نکلی
ایبسٹریکٹ آرٹ کی اس چیز پہ دیکھی ہے اساس
تن کی عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس
اس نمائش میں جو اطفال چلے آتے ہیں
ڈر کے ماؤں کے کلیجے سے لپٹ جاتے ہیں

ایبسٹریکٹ آرٹ کا اک یہ بھی نمونہ دیکھا
فریم کاغذ پہ تھا کاغذ جو تھا سونا دیکھا

وہ ہمیں کیسے نظر آئے جو مقسوم نہیں
لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں معلوم نہیں
ڈر کے نقادوں کے اس آرٹ کو یوں کہتے ہیں ہم
شاید ہستیٔ مطلق کی کمر ہے عالم

الغرض جائزہ لے کر یہ کیا ہے انصاف
آج تک کر نہ سکا اپنی خطا خود میں معاف
میں نے یہ کام کیا سخت سزا پانے کا
یہ نمائش نہ تھی اک خواب تھا دیوانے کا
کیسی تصویر بنائی میرے بہکانے کو
اب تو دیوانے بھی آنے لگے سمجھانے کو

بھنگیوں کی ہڑتال

بھنگیوں کی آجکل ہڑتال ہے
کہتر و مہتر کا پتلا حال ہے
گردشِ دوراں نے ثابت کر دیا
رفعِ حاجت بھی بڑا جنجال ہے

ضبط کی حد پر کھڑے ہیں شیخ جی سانس کھنچتے ہیں مگر منہ لال ہے
پیٹ پکڑے پھر رہے ہیں سیٹھ جی جیسے دھوتی میں بہت سامال ہے
آگیارو کے سے رُک سکتا نہیں اپنا اپنا نامۂ اعمال ہے
ہر گلی کوچے کی اپنی جھیل ہے ہر جگہ دلی میں نینی تال ہے

مردم شماری

ہے چمن میں آج کل مردم شماری کی بہار
CENSUS گھوڑوں گدھوں کا ہو چکا ہے پہلی بار
اس لیے حیوانِ ناطق ہو رہے ہیں اب شمار
رہ نہ جائے تو کہیں اے مردِ عاقل ہوشیار
اس جہاں میں آنجہانی ورنہ کہلائے گا تو
جدولِ مردم شماری میں نکل جائے گا تو

پوچھے جانے چاہئیں اس وقت کچھ ایسے سوال
جی رہے ہو کب سے اور کیوں اور اب کب ہو گا وصال
ہے مکان اپنا کہ بے گانہ ہوا کب انتقال

آج تک پیدا کیا کِس چیز میں تم نے کمال
بڑھ گئی کتنی گھریلو صنعتیں دس سال میں
آدمی کس حال میں ہیں جانور کس حال میں

مولوی کی طرح کھاتے ہو کہ ہے پینا پسند
خاندانی طور پر کتنے ہو تم منصوبہ بند
کتنے منصوبے ہیں چھوٹے کتنے منصوبے بلند
اور اگر منصوبیاں ہیں کچھ تو کِتنے ہوشمند

صاحبِ اولاد ہو یا زائید العیاد ہو
تم غزل گوئی میں کِس اُستاد کی اولاد ہو

آدمیت کس قدر ہے والدیت کس قدر
خارجیت کس قدر ہے داخلیت کس قدر
قابلیت کس قدر ہے جاہلیت کس قدر
مذہبیت کس قدر ہے مولویت کس قدر

کیا زبانیں بولتے ہو یا ہو بالکل بے زباں
یا زباں ایسی ہے سُن کر جس کو کرلیں بند کاں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جب لاد چلے گا بنجارا

(نظیر اکبر آبادی کی نظم "بنجارا نامہ" کی پیروڈی)

جب وفد بنا کر چودھریوں کا لے جاتا ہے لیڈر پیارا
کچھ اس میں افسر جاتے ہیں، کچھ بیوپاری کچھ ناکارا
ایکسچینج انہیں دے دیتا ہے یہ ملک ہمارا بیچارا
ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھرے مارا
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

جس محفل میں تو جاتا ہے وہ اہلِ خرد کی محفل ہے
تو صرف وزارت کرتا ہے اور صرف اسی کے قابل ہے
جو بس کا تیرے کام نہیں اس کام کے اوپر مائل ہے
دورانِ سفر گر ٹوٹ گئی کابینہ جس میں شامل ہے
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

مانا تو بڑا ہی شاطر ہے اور اس سے بڑا بیوپاری ہے
پر دیکھ تو تیرے ملک میں کیا افلاس ہے کیا ناداری ہے

اور تو ہے ذخیرہ اندوز بڑا، لالچ کی تجھے بیماری ہے
چیزوں کی جو قیمت اونچی ہے سب تیری صنعت کاری ہے
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

امپورٹ کے بوگس پرمٹ اور یہ سودے رشوت خوری کے
پھر آزادی کا نام بھی ہے اور دعوے خود مختاری کے
یہ چند ٹکوں کے بدلے میں نیلام تیری خودداری کے
جب موت کا ڈیرا آن پڑا پھر دُونے ہیں بیوپاری کے
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

اس نفع خوری کے چکر میں تو حج کرنے جب جائے گا
پیتل جو پہن کر جائے گا سونے سے بدل کر لائے گا
کسٹم سے بھی بچ کر نکلے گا اور حاجی بھی کہلائے گا
قزاق اجل کا رستے میں جب بھالا مار گرائے گا
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

ان دھندوں میں، ان پھندوں میں سب عمر تری کٹ جائے گی
سر پر جو یہ حسن کی بدلی ہے اک بارش سے چھٹ جائے گی
یہ دولت جھٹ پٹ آئی ہے، یہ دولت جھٹ پٹ جائے گی

یہ کھیپ جو تو نے لادی ہے، سب حصّوں میں بٹ جائے گی

سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

اے دوست ترا ہم درس تھا میں کالج میں تھا ناکارا

تھا باپ جو دولتمند ترا، کرتا تھا شکایت بے چارا

کہتا تھا یہ لڑکا دُنیا میں اِک روز پھرے گا آوارا

اب ماہ و شانِ مغرب میں، تو ان کا طفیلی سیّارا

سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

آزاد ممالک کی وہ فضا اور اچھا تیرا چال چلن

بدنام ہوئی ہے قوم تری رسوائے جہاں ہے تیرا وطن

یہ دُھن کہ کراچی میں ہو مکاں اور اس میں اِک پیرس کی دُلہن

کیا مندر، مسجد، تال، کنوئیں، کیا گھاٹ سرا کیا باغ چمن

سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

مجید لاہوری

ماڈرن آدمی نامہ

(نظیر اکبر آبادی کی نظم "آدمی نامہ" کی پیروڈی)

مونچھیں بڑھا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
داڑھی منڈا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
مُرغے جو کھا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
دلیا پکا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے چبا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
اور لنچ اُڑا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

وہ بھی ہے آدمی جسے کوٹھی ہوئی الاٹ
وہ بھی ہے آدمی ملا جس کو نہ گھر نہ گھاٹ
وہ بھی ہے آدمی جو اٹھائے ہے سر پہ کھاٹ
موٹر میں جا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
رکشا چلا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دوکانیں سجا سجا
اور آدمی پھرتے ہیں ٹھیلا لگا لگا
ہر مال چار آنہ کی دیتے ہیں وہ صدا
پولیس ان کا کرتی ہے چالان جابجا
کیبن بنا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
اس کو گرا رہا ہے ، سو ہے وہ بھی آدمی

رشوت کے نوٹ جس نے لیے، وہ بھی آدمی
دو روز جس نے فاقے کئے، وہ بھی آدمی
جو آدمی کا خون پئے ، وہ بھی آدمی
جو پی کے غم کا زہر جئے، وہ بھی آدمی
آنسو بہا رہا ہے ، سو ہے وہ بھی آدمی
اور مسکرا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

وہ لالو کھیتوی ہو کہ ہو گولی ماروی
دفتر کا ہو کلرک کہ مسجد کا مولوی
ہو وہ فقیر خاں کہ ہو وہ سیٹھ ٹیوب جی
وہ بھی ہے آدمی کہ جو کرتا ہے لیڈری

جو بس میں جا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
اور بس چلا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

یہ جھونپڑے میں قید وہ بنگلے میں شاد ہے
یہ نامُرادِ زیست ہے وہ بامُراد ہے
ہر کالا چور قابلِ صد اعتماد ہے
یہ زندہ باد اِدھر وہ اُدھر مُردہ باد ہے
نعرے لگا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
چندہ جو کھا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

لٹھے کے تھان جس نے چھپائے سو آدمی
پھرتا ہے چیتھڑے سے لگائے سو آدمی
بیٹھا ہوا ہے غلّہ دبائے سو آدمی
راشن نہ کارڈ پر بھی جو پائے سو آدمی
صدمے اٹھا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
دھومیں مچا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

لیڈری

مل اور زمین الاٹ کراتی ہے لیڈری
اور کوٹھیوں پر قبضہ دلاتی ہے لیڈری
لنچ اور ڈنر مزے سے اُڑاتی ہے لیڈری
غم ساتھ ساتھ قوم کا کھاتی ہے لیڈری
فرصت ملے تو ٹُور پر جاتی ہے لیڈری

ہم لوگ زندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں
ووٹوں کی بھیک لینے جب وہ چل کے آتے ہیں
دے دے کے ووٹ ہم انہیں ممبر بناتے ہیں
گدی پہ بیٹھ کے وہ ہمیں بھول جاتے ہیں
پھر دور ہی سے جلوہ دکھاتی ہے لیڈری

دُنیا میں لے کے سیٹھ سے اے یار و تا فقیر
ہے لیڈری کی زُلفِ گرہ کا اسیر
اک آن میں بنائے مڈل فیل کو وزیر

کیا کیا ہیں اور خوبیاں اس کی کہوں نظیرؔ
ذرّے کو آفتاب بناتی ہے لیڈری

انجمن تحسینِ باہمی

'عرض کرتا ہوں جناب،'

'واہ واہ'

'پھر عطا فرمائیے'

'عرض کی تعریف ہو سکتی نہیں،'

'واہ واہ...... واہ واہ'

'خوب بلکہ خوب تر'

'پھر عطا فرمائیے،'

'پڑھتے رہیئے بار بار'

'واہ واہ...... واہ واہ'

'عرض کی تعریف ہو سکتی نہیں'

'بالیقیں'

'واہ واہ ...... واہ واہ'

'عرض کرتا ہوں کہ چشم......'

'واہ چشم'

'واہ چشم...... واہ واہ'

'چشم کا چشمہ غضب ہے واہ واہ'

'خوب خوب'

'چشم نرگس......'

'واہ نرگس واہ واہ'

'چشمِ نرگس ہائے ہائے'

'پھر عطا فرمائیے'

'یار بار'

'واہ واہ ...... واہ واہ'

'چشمِ نرگس اِن دنوں......'

'اِن دنوں......'

'تعریف ہو سکتی نہیں'

'واقعی تعریف ہو سکتی نہیں'

'ان دنوں کس حال کی تصویر ہے'

'ان دنوں امروز کی تقصیر ہے'

'کوئی کہہ سکتا نہیں آپ نے جو کہہ دیا'

'یہ تو ٹیڑھی کھیر ہے'

'واہ واہ...... واہ واہ'

'خوب بلکہ خوب تر'

'چشمِ نرگس ان دنوں بیمار ہے'

'واہ واہ...... ہائے ہائے'

'چشمِ نرگس ان دنوں بیمار ہے'

'ان دنوں بیمار ہے'

'زندگی اک مستقل آزار ہے'

'واہ واہ...... واہ واہ'

'چشمِ نرگس ان دنوں بیمار ہے تیرے بغیر'

'تیرے بغیر...... واہ واہ'

'چشمِ نرگس ان دنوں بیمار ہے تیرے بغیر'

'واہ واہ ...... واہ واہ'

'تعریف ہو سکتی نہیں ——— اُف غضب'

'اِن دنوں بیمار ہے ——— کیا خوب ہے'

'کیا حسیں اسلوب ہے'

'اور...... یہ تیرے بغیر'

'واہ واہ'

'چشمِ نرگس اور پھر بیمار ہے ——— ہائے غضب'

'بس یہی ٹکڑا تو ہے روحِ ادب، جانِ ادب'

'واہ واہ...... پڑھتے رہئیے بار بار'

'چشمِ نرگس اِن دنوں بیمار ہے تیرے بغیر'

'واہ واہ...... واہ واہ'

'خوب خوب'

'خوب بلکہ خوب تر'

'پھر عطا فرمائیے'

'ہاں یہی دُہرائیے'

'چشمِ نرگس ان دنوں بیمار ہے تیرے بغیر'

'واہ واہ .... واہ واہ'

'بس یہی مصرع ادب کی جان ہے'

'ایک مصرع کیا عظیم الشان ہے'

'حافظ و خیام کا دیوان ہے۔

'واہ واہ .... واہ واہ'

'خوب'

'خوب'

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

غلام احمد فرقت

گدھا کانفرنس

اسٹرائیک کی وبا شہر میں جس دم پھیلی
نعرے ہر سمت لگے ، شور ہوا، دھوم مچی
اُڑتی اُڑتی یہ خبر جب کہ گدھوں تک پہنچی
پھر تو ان قبلہ و کعبہ کی بھی شہ رگ پھڑکی

پشکتیں جھاڑ کے سب آ گئے میدانوں میں
پچھلی ٹانگوں سے یہ داخل ہوئے فرزانوں میں

ان میں دو چار کچھ اس زور سے بھنّائے تھے
کٹکٹا کر کئی کھونٹوں سے کو تڑا لائے تھے
جو گدھے مار بہ اندازِ دِگر کھائے تھے
رینکتے رینکتے وہ گھاٹ سے بھاگ آئے تھے

رینکیں ایسی تھیں کہ ایوان ہلے جاتے تھے
آسماں اور زمیں ڈر سے ملے جاتے تھے

ڈھینچوں ڈھینچوں کی صداؤں کا تھا اِک جمِ غفیر
ساری خلقت نظر آتی تھی گدھوں کی جاگیر
ان کی ہر مانگ تھی اِک زہر میں ڈوبا ہُوا تیر
عقل سے دست و گریباں تھی، گدھوں کی تقدیر

ان کی مانگوں میں بس اِک راز یہ سربستہ تھا
یعنی ہر 'فرد' بغاوت پہ کمر بستہ تھا

اِک گدھا جو کہ کہن سال و جہاں دیدہ تھا
اور کئی میل کی دُوری سے بھی لگتا تھا گدھا
سب گدھوں نے اُسے جلسے کے لیے صدر چُنا
پشکتیں جھاڑ کے مجمع نے یہ اعلان کہا

صدر زندہ ہے تو اب ہم نہ کبھی بھٹکیں گے
شیر بھی سامنے آجائے تو دے پٹکیں گے

سُن کے یہ نعرہ اُٹھا ایک جواں سال گدھا
دندناتا ہُوا اسٹیج تلک جا پہنچا
صدرِ جلسہ کے جو آنے میں، ہُوا کچھ وقفہ
اپنی 'خر عقلی' سے وہ اس کو غنیمت سمجھا

اس نے پہلے تو ذرا اپنا گلا صاف کیا
اور پھر رینک کے اس طور سے اکدم ٹھہکا

کون سا ملک ہے دُنیا میں جو ہو ہم سے بچا
کون کہتا ہے کہ کابل میں نہیں کوئی گدھا
کون اعزاز ہے قدرت نے نہ ہو جو بخشا
ہم کو ایران میں اور مصر میں کیا کچھ نہ مِلا

جہاں انگور سا میوہ بھی سے پٹاری میں رہے
ہم وہاں شاہ کی ہر آن سواری میں رہے

اتنا کہہ پایا تھا مظلوم کہ پھر شور مچا
سُن لیا، سُن لیا، بس بیٹھ، اے بیٹھ بھی جا
کِرکری اپنی سمجھ کے وہ اس درجہ تپا
رینکتا ہی رہا جب تک کہ وہ جلسے میں رہا

اپنی توہین پہ اس درجہ بھرا بیٹھا تھا
جھاڑ دیتا تھا دُلتّی جو اُسے روکتا تھا

صدر کا پھر تو قیام ایک بُلندی پہ ہُوا
پچھلے سُم ٹیک کے پھر صدر نے خطبہ دیا

بھائیو! آپ گدھے آپ کا ہر فرد گدھا
پھر بھی یہ فخر ہے کیا کم وہ ویسا ہی رہا
ہم تو کعبہ بھی گئے اور کلیسا بھی گئے
جیسے پہلے تھے پلٹنے پہ بھی ویسے ہی رہے

ہم اُلٹے حالوں میں چچّر سے کہیں بہتر ہیں
جس کی ہر ایک نسل میں دو ایک بڑے پچّر ہیں
نسل میں حضرتِ انساں سے بھی برتر ہیں
خدمتِ خلق میں جب دیکھئے 'یکسر' ہیں
گھاٹ جاتے بھی کبھی، ہم نے کیا فیل نہیں
چاندمیں میل نکل آئے یہاں میل نہیں

ہم گدھے لاکھ سہی پھر بھی پرکھتے ہیں نظر
اور انسان سے کہتے ہیں کہ اللہ سے ڈر
اپنی ہستی کو نہ بھول اور نہ اپنے سے گذر
خاکسرانِ جہاں راہ پہ حقارت مینگر
ہے اگر زعم تو خاک میں رل جائے گا
اور ہستی کا کہیں پھر نہ پتہ پائے گا

گو گدھا آپ کا ہر حکم بجا لاتا ہے
پھر بھی رہ رہ کے یہی دل میں خیال آتا ہے
جتنا مظلوم ہے جو، اتنی سزا پاتا ہے
سچ تو یہ ہے کہ بندھا مار یہاں کھاتا ہے

آپ بتلائیں کہ اس ظلم کی کوئی تھاہ بھی ہے
آخر اس جور سے بچنے کی کوئی راہ بھی ہے

کھینچ کے مار دیا جس نے ہمیں جو چاہا
اور اس مار پہ شکوہ، نہ شکایت نہ گلا
کوئی پوچھے تو یہ انسان سے اندھیر ہے کیا
نام ہم سارے وفاداروں کا رکھا ہے گدھا

مصر والوں کی نگاہیں ہیں حقیقت میں کھری
اس لیے ان کو ہم اس جرم سے کرتے ہیں بری

حج سے واپس ہوئے جس دم کہ میاں مضانی
وہ بھگی بدلی کہ صورت نہ گئی پہچانی
ہم نے جو وضع نہ سیکھی نہ ابھی تک جانی
ایک ہی وضع پہ قائم رہے ہم سیلانی

ہم تو دنیا میں فقط ایک ہی جادہ پہ رہے
انقلاب آئے مگر ہم رہے ویسے ہی گدھے

ہم سے انسان سے اب ہو نہیں سکتا ہے نباہ
اس نے وہ ظلم کیے ہیں کہ معاذ باللہ
عشق میں کس کا نہیں نامۂ اعمال سیاہ
پھر اگر ہم نے کیا عشق تو کیا اس میں گناہ

ہم پہ وہ مار پڑی، جو نہ پڑی مجنوں پر
گو وہ تقصیر میں ہم سے تھے کہیں بڑھ چڑھ کر

جوش میں آ کے گدھے کھال کو پھڑکاتے تھے
سخت گرمی میں بھی جاڑوں کے مزے آتے تھے
کچھ جو ڈر ڈر کے نظر دور پہ دوڑاتے تھے
ان کو ہر چیز میں دھوبی ہی نظر آتے تھے

بعد خطبے کے تجاویز کا نمبر آیا
ان تجاویز کو پھر صدر نے یوں فرمایا

اوّلاً یہ کہ ہمیں صبح املتاس ملے
اور جاڑوں میں ہمیں ریشمی پچراس ملے

ہم کو بونس جو ملے ، اس میں انناس ملے
اک نئی زمین ملے اک نئی راس ملے

اب کے جاڑوں میں اگر جھول نہیں پائیں گے
جس طرف سینگ سمائیں گے نکل جائیں گے

آج سے کوئی گدھا اپنی اگاڑی نہ بندھائے
باندھ دیں گر وہ اگاڑی تو پچھاڑی نہ بندھائے
پھر یہ جوتیں جو گاڑی میں تو گاڑی نہ بندھائے
گر پہاڑی کے بھی باندھے تو پہاڑی نہ بندھائے

باندھ کر دم میں جو پیسے ہمیں دوڑاتے ہیں
جان جاتی ہے یہاں ، ان کو مزے آتے ہیں

زچہ خانے کی گدھی پر کوئی لادی نہ لدے
کوئی شرری نہ لدے کوئی فسادی نہ لدے
کوئی دھوبی نہ لدے ، دھوبی کی دادی نہ لدے
کبھی ریشم نہ لدے اور کبھی کھادی نہ لدے

گر نہ لادی سے اماں اپنی گدھی پائے گی
مار کر لات وہ ندی میں گرا آئے گی

اور یہ بات کہ تم نام گدھے کا بدلو
اور یہ کہ گدھا مار نہ ہم کو مارو
تیسرے کام کے اوقات معیّن کر لو
کام کے بعد کبھی 'رانگ' سواری مت لو
اپنی مانگوں کا اگر کوئی مداوا نہ ہوا
کل سویرے سے کوئی گھاٹ نہ جائے گا گدھا
اب اِدھر سنیئے ذرا کاتبِ قسمت کا لکھا
یعنی اِک دھوبی نے سن پایا جو جلسے کا پتا
بس کھڑے گھاٹ، جو اس صور کو اُس نے پھونکا
ایک اِک دھوبی چلا ہاتھ میں لے کر ڈنڈا
شق کرتے ہوئے ڈنڈوں سے جو پہنچے دھوبی
ذرّہ ذرّہ نے صدا دی کہ ہوئی سر کوبی
دھوبی اس واسطے کچھ اور بھی گھبرائے تھے
ان میں کچھ لادیاں مالک کی اٹھا لائے تھے
پیستے دانت وہ غصے میں بھرے آئے تھے
اور بھس کھانے کی سب دل میں قسم کھائے تھے

کچھ عجب طور کی گردوں پہ گھٹا طاری تھی
اِس طرف رزم اُدھر بزم کی تیاری تھی

جب دبے پاؤں وہاں اُن کے چھل بل دیکھی
دیکھ کر ان کی خوشی ہنس دیئے خود بھی دھوبی
اتنے خوش تھے کہ کسی کی نہ نظر اُن پہ گئی
کہ اجل سامنے ہے بھیس میں دھوبی کے کھڑی

اپنے ساتھی سے کسی دھوبی نے چلّا کے کہا
"ابے وہ دیکھ وہ ٹیلے پہ ہے 'میکا' کا گدھا"

اتنا سُننا تھا کہ ان سب میں ہوئی اک ہلچل
صدر کے مُنہ سے گئی زور سے اک رینگ نکل
رینک سُننا تھا کہ وہ سب ہوئے اتنے بیکل
پشکتیں جھاڑ کے نظروں سے ہوئے سب اوجھل

صدر پر موت کی بس پھر تو غشی طاری تھی
کان جُنبش میں تھے پرواز کی تیاری تھی

صدر کے حال کا اس جا کوئی پُرساں نہ ہُوا
ان کا سایہ بھی شریکِ غمِ ہجراں نہ ہُوا

ہنسنے والے تھے سبھی کوئی بھی گریاں نہ ہُوا
دوستوں میں بھی کوئی چاکِ گریباں نہ ہُوا

جتنے دھوبی تھے وہ سب آپ پہ جب ٹوٹ پڑے
کبھی جُوتے، کبھی چپل، کبھی فُل بُوٹ پڑے

پُرانے جُوتے

گردشِ افلاک کے مارے ہوئے جُوتے تمام
اِک سڑک کے موڑ پر رکھے تھے بہ صد اہتمام
ان پر ٹوٹے پڑ رہے تھے مفلسانِ خاص و عام
میں نے بھی گردن بڑھا کر پوچھا کُن میں اک کے دام
بولا مدّت بعد ان جوتوں کا اب اُٹھا ہے بال
اور ان جوتوں میں ہر جوتا ہے آپ اپنی مثال
ایک جُوتا ان میں تھا جو تجربوں کا شاہکار
اور کسی بھاگے ہوئے انگریز کی تھی یادگار

بولا میں اس دیس میں چلتا رہا ہوں بار بار
ہندو مسلم ہیں اب تک میرے افسوں کا شکار
'پلینٹ' والوں میں ابھی تک میری وقعت ہے وہی
قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

ان میں اِک ٹکڑا سا جوتا ایک ڈی ایس پی کا تھا
عُمر بھر جو بے گناہوں کے سروں پر تھا چلا
کِتنی کِتنی رشوتیں صاحب کو تھا کھلوا چکا
جِسم گو بے جان تھا لیکن تلے کا تھا کڑا
میں نے دس آنے لگائے اس پہ بولا او سخی
سات پُشتوں نے تیری پہنا تھا یہ جُوتا کبھی

ایک برمی سینڈل بھی تھی وہاں مستانہ وار
اس طرح رکھی ہوئی تھی جیسے پتوں میں انار
یہ کسی کالج کی لڑکی کی رہی تھی غمگسار
نوجواں عشاق کے جذبے تھے اس کے زیربار
بولا میں یہ آپ کی ٹھوکر میں ہیں کیا خال خال
بولی یہ ہیں نوجواں عشاق کی چندیا کے بال

سینڈل اک جس کے دونوں بند تھے لٹکے ہوئے
جو جوانی میں تھی کتنی عزتیں لوٹے ہوئے
سیکڑوں عشاق کی چندیا کا رس چوسے ہوئے
بولی میں حاضر ہوں گر پیسے ہوں کچھ ٹوٹے ہوئے

نوکروں پہ چل کے تگنی ناچ میں نچواؤں گی
جس کی چندیا آپ فرمائیں گے چٹ کر جاؤں گی

میں نے سوچا لے بھی لوں اس کو جب آیا خیال
دل یہ بولا سوچ لو مضبوط ہیں چندیا کے بال
گر کسی دن تم نے بیگم سے ذرا کی قیل و قال
جان لو پھر اس خریداری کا ہے جو کچھ مآل

یہ خیال آیا تو میں دوکان سے سرپٹ چل دیا
راستے بھر لب پہ میرے کلمۂ لَاحَول تھا

شیخ گھسو، کر کے اِک موچی سے پہلے ساز باز
عمر میں پہلے پہل مسجد گئے پڑھنے نماز
درمیان میں توڑ کر یہ اپنی نیتِ حیلہ ساز
جھاڑ لائے ایک چپّل جو تھی بے حد دِلنواز

یہ جوان چنچل تھی اپنے حال پر واں نوحہ خواں
اور میاں گھیسو کی تھی ایمان کی رطب اللساں

بعد کی باتیں

تعلیم کی تمام تو کالج سے یُوں چُھٹے
جیسے کہ کوئی سانڈ کو کھونٹے سے کھول دے
بے کار تھے ضرور پہ یا کار بھی رہے
اِک دو پہ مُسکرائے تو دو چار پہ ہنسے
کچھ دن تو عاشقانہ خطوں میں گذر گئے
دو سال خیریت سے پِتوں میں گذر گئے

جو حُسنِ اتفاق سے کچھ ملتفت ہوئے
اُن کے یہاں بھی تھیلیاں فرمائشوں کی تھیں
ہم مفلسی بدوش، اُدھر سے ضِدیں بڑھیں
اپنی طرف سے ہاں تھی اُدھر تھی نہیں نہیں

ایک ایک کر کے روز یوں ہی دن کٹ گئے
اور ہم خیالِ یار میں زُلفیں بٹا گئے

برتے پہ گرچہ باپ کے تھے مفت پل رہے
پر مفلسانِ دہر میں بھی بے بدل رہے
یعنی ہم اپنے عشق میں بالکل اٹل رہے
ہر دم رکھا خیال کہ دل در بغل رہے

ہم نے اُٹھائے ہجر میں یوں وصل کے مزے
فوٹو ہم اُن کا سینے سے لپٹا کے پڑے رہے

مانگے کے سوٹ ڈاٹ کے ان سے بھی ہم ملے
لیکن جب اصل رُوپ میں اِک دن نظر پڑے
تہمد میں ہم کو دیکھ کے پہلے تو وہ ہنسے
پھر مُنہ بنا کے دیر تلک گھورتے رہے

بولے یہ شکل خون کے آنسو رُلائے گی
یہ جیتی مکھی ہم سے تو کھائی نہ جائے گی

اِک روز ایک خط جو کسی دل جلی کا تھا
کیا جانیں کیسے بابا کے وہ ہاتھ لگ گیا

پیری پہ واں گھمنڈ اِدھر عشق کا نشہ
القصہ حسن و عشق پہ اِک کوہ پھٹ پڑا

یہ بات مار پیٹ کی منزل سے جا لگی
اِس عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی

کتوں نے بعض کے ہمیں رپٹایا بار ہا
لیکن نہ فرقِ عشق میں اس سے کبھی پڑا
جب بھی سُنا رقیب کے گھر پر ہے جمگھٹا
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا
آواز بعدِ عقد یہ کانوں میں بھر گئی
اُٹھیے بس اب کہ لذّتِ خوابِ سحر گئی

عصمت اللہ بیگ دہلوی

نوکری کا کانسٹی ٹیوشن

کرتا ہوں نصیحت تمہیں اے یار ہمیشہ
تنخواہ سے بس رکھو سروکار ہمیشہ

دروازے پہ حاکم کے لگاتے رہو چکر
گردش میں رہو صورتِ پرکار ہمیشہ

بھیگی ہوئی بلّی کی طرح سمٹے رہو تم
ہر بات پہ کہتے رہو سرکار ہمیشہ

دو گالیاں دل میں بھی، مگر مُنہ سے نہ بولو
سُنتے رہو حکام کی دُھتکار ہمیشہ

لینا ہو جو رُخصت تو کرو عُذرِ علالت
اپنے کو بنائے رکھو بیمار ہمیشہ

رکھے رہو پھیلائے ہوئے میز پہ کاغذ
مِثلوں کا رہے سامنے انبار ہمیشہ

ہر کام میں انگلش کو مقدم رکھو لیکن
اُردو کا بھی کرتے رہو پرچار ہمیشہ
دفتر میں کبھی اہلِ غرض سے نہ ملو تم
کرتے رہو ہوٹل میں یہ بیوپار ہمیشہ
تحفہ کوئی دے دے تو اُسے چپکے سے لے لو
ہاں نقدی سے کرتے رہو انکار ہمیشہ
جس چیز کو لینا ہے تو 'لا' ہی کہو مُنہ سے
اِنکار کے پہلو میں ہو اقرار ہمیشہ
حُکام کو ہر طرح سے دیتے رہو تحفے
ڈھونڈا کرو ہر قسم کے تہوار ہمیشہ
جو کوئی بھی عصمت کی نصیحت پہ چلے گا
خود بھی رہے خوش، خوش رہے سرکار ہمیشہ

ظریفؔ لکھنوی

سیاحاتِ ظریف

(چند بند)

مقبولؔ جب وطن سے سوئے کربلا چلے
ہمراہ سب عزیز چلے آشنا چلے
کچھ لوگ ساتھ کان میں پڑھ کر دُعا چلے
خواہش کسی کی یہ تھی کہ ساتھی چلا چلے
پہنچے جو ریل گھر پہ بڑا اژدھام تھا
مائیل معانقے پر ہر اِک خاص و عام تھا

کچھ ریل گھر کا حال کروں مختصر بیاں
وہ نو بجے کا وقت وہ ہنگامے کا سماں
قُلیوں کا لاد لاد کے لانا وہ پیٹیاں
بجنا وہ گھنٹیوں کا وہ انجن کی سیٹیاں
گڑبڑ مسافروں کی بھی اِک یادگار تھی
عورت پہ مرد، مرد پہ عورت سوار تھی

القصہ ریل جب سوئے جھانسی رواں ہوئی
اور شکل لکھنؤ کی نظر سے نہاں ہوئی
جو تھرڈ میں تھے ان کے لیے بھی اماں ہوئی
بنچوں پہ دھکے کھا کے جگہ کچھ عیاں ہوئی
پہنچی جو کانپور تو پھر گڑ بڑی ہوئی
ٹھہری جو تھوڑی دیر تو پھر چل کھڑی ہوئی

ٹھہری اُری ہیں جھانسی میں پھر جا کے دم لیا
بینا میں پانی پینے کو چلا کے دم لیا
بھوپال تال پہنچی تو گھبرا کے دم لیا
واں سے اٹارسی میں جگہ پا کے دم لیا
کھنڈوے میں تھوڑی دیر ٹھہر کر رواں ہوئی
منماڈ میں جو صبح کو پہنچے اذاں ہوئی

واں سے اگن پوری پہ ذرا سا کیا قیام
کلیان جا کے تھوڑے ہی عرصے ہوا مقام
تھا تیسرا پہر نہ بخوبی ہوئی تھی شام
چھوٹا جو ساتھ ریل کا ہم سب سے والسلام

یعنی سوادِ بمبئی سے اِس دم نظر پڑا
ٹھہری ٹرین اِک اِک مسافر اُتر پڑا

لے چل 'اپالو' کی طرف اب مجھ کو بہر سیر
گھبرا رہا ہے دل میرا 'چوپاٹی' کے بغیر
دکھلا دے پون چکی مجھے تیرے دم کی خیر
لے چل ٹرام بے پہ نہ جاؤں گا پیر پیر

وکٹوریا میں مجھ کو چڑھا کر پھرا کہیں
جلدی 'گرالڈ روڈ' کی صورت دکھا کہیں

ساقی کر ایک چائے کا سگنل عطا مجھے
اور توس بھی غزک کی جگہ تو کھلا مجھے
دینا نہ پتّی پونے کی دے ماٹدوا مجھے
لیموں کی باٹلی کا چکھا دے مزا مجھے

بیڑی وہ دے کہ دردِ جگر کا مزا ملے
کچھ تو یہاں کے سیر و سفر کا مزا ملے

کچھ بمبئی کا حال کروں مختصر بیاں
چوڑی سڑک دو رویہ کئی منزلے مکاں

ہر سُو ملوں کا شہر میں پھیلا ہُوا دھواں
ہر ایک مالے کے لیے دس بیس سیڑھیاں
کمرہ ہر ایک کاٹھ کا پنجرہ سِلا ہُوا
ہر اک مکیں فدیت ہو جیسے پلا ہُوا
اشیا سفر کے واسطے کچھ مختصر سے لائے
کمرہ بھی جو جہاز پہ ہم جا کے دیکھ آئے
جانے کو پنجشنبہ کی ٹھہری تو سب کی رائے
بدلا لباس تعط بنا حمّام میں نہائے
شب بھر یہی خیال رہا نیند اُچٹ گئی
کچھ سوئے کچھ نہ سوئے یونہی رات کٹ گئی
گودی پہ جبکہ پہنچے تو دیکھا یہ ماجرا
انبار چار سمت ہے اسباب کا لگا
بیٹھا ہے کوئی اور مُسافر کھڑا ہُوا
کوئی یہ کہہ رہا ہے قلی سے کہ جلد لا
دس بج چکے تھے دن کے ہر اِک بیقرار تھا
بس ڈاکٹر کے آنے کا ہی انتظار تھا

شوہر سے زوجہ، زوجہ سے شوہر الگ الگ
بھائی بہن سے، بھائی سے خواہر الگ الگ
مادر سے بیٹا، بیٹے سے مادر الگ الگ
بیٹی سے باپ، باپ سے دختر الگ الگ
ہے یہ اصل بجا نہ کسی کے بھی ہوش تھے
یہ حال دیکھتے تھے مگر سب خموش تھے
لو ڈاکٹر بھی آگیا قصہ ہوا تمام
اک میم ساتھ لیے بہ صد احترام
باہر بچھا کے میز انہوں نے کیا قیام
پردے میں لیڈی آئی تعجب کا ہے مقام
بے کار اتنے وقت کو برباد کر دیا
ہر اک کی نبض دیکھ کے آزاد کر دیا
پہلے انہیں دیا گیا ایک سرٹیفکیٹ
اوّل و دوم جہاز میں جن کا لیا ٹکٹ
پھر تھرڈ والے جتنے تھے اُن سے ہوئی جھپٹ
چڑھے ٹٹول سینے کو دیکھا اُلٹ پلٹ

بے چارے تھرڈ والوں کو پرچے کہاں دیئے
بھیڑوں کی طرح آدمیوں پر نشاں دیئے

ہنگامہ وہ جہاز پہ چڑھنے کا الحذر
تھے پاس پر کسی کو کسی کی نہ تھی خبر
'پل تختہ' لا کے رکھ دیا پانی میں تربتر
کانسٹیبل وہاں کھڑا تھا جہاں سے تھی رہگذر

جو بے نشاں تھے اُن کو نہ بڑھنے کا حکم تھا
جن کے نشان تھے اُنہیں چڑھنے کا حکم تھا

پہنچا ہر اِک جہاز پہ جس طرح ہو سکا
لیکن کہیں پہ ملتی نہ تھی بیٹھنے کی جا
اسباب چار سمت تھا پھیلا پڑا ہُوا
سُنتا نہ تھا کوئی جو کوئی تھا پُکارتا

بُرقعہ میں عورتیں تھیں مگر غیر حال تھا
ریلہ وہ تھا قدم کا ٹھہرنا محال تھا

کچھ کھنڈ میں بھرے ہو گئے اسباب کی طرح
کچھ بے قرار ہو گئے سیماب کی طرح

اِک جا پہ کچھ سما جو گئے آب کی طرح
کچھ گھومتے ہی رہ گئے گرداب کی طرح

جب تک چلا جہاز نہ ممکن سے اماں ہوئی
لنگر اٹھا تو شکلِ فراغت عیاں ہوئی

بیٹھے ہوئے سبھوں کو نہ گذرے تھے دوپہر
پہنچا جہاز قبتے کے اندر ہوا گذر
موجوں کا اٹھنا اور وہ طلاطم کہ الحذر
بیخود ہوئے یہ سب کہ نہ اپنی رہی خبر

قے سے مسافروں کا بہت غیر حال تھا
چکر وہ تھا کہ سر کا اٹھانا محال تھا

اُواُو کی آرہی تھی ہر اک سمت سے صدا
سر پکڑے کوئی بیٹھا تھا کوئی پڑا ہوا
کپڑے لتھڑ لتھڑ تھے کسی کا یہ حال تھا
کوئی یہ کہہ رہا تھا خبر لو کہ میں چلا

منہ تو کھلا ہوا تھا مگر آنکھیں بند تھیں
چاروں طرف سے قے کی صدائیں بلند تھیں

تھیں جن کے ساتھ عورتیں ان کا نہ پوچھو حال
لے جانا اور لانا تھا اِک جان سے کا وبال
سیڑھی سے ان کو لے کے اُترنا تھا اِک کمال
بے پردگی کا دھیان نہ پردے کا تھا خیال

یہ پردہ داری جان کے اُوپر عذاب تھی
ان عورتوں سے مردوں کی مٹّی خراب تھی

کہتی تھی کوئی لو میرا بُرقعہ اٹک گیا
ہے ہے نیا تھا تین جگہ سے مسک گیا
صاحب سنبھالو سر سے دوپٹہ کھسک گیا
لو پائنچہ اُلجھ گیا مِکنا سِرک گیا

کیا گت بنی ہے سب کی نگوڑے جہاز پر
پھسلن ہے کس غضب کی نگوڑے جہاز پر

لو بی بی پاندان کا ڈھکنا بھی گر گیا
آفت پڑے جہاز پر کتھا بھی گر گیا
توبہ ہے میرے بچے کا ہوا بھی گر گیا
اے لو نگوڑے طوطے کا پنجرا بھی گر گیا

کشتی پہ بچی رہ گئی ہے ہے غضب ہوا
بٹیا کی ٹوپی بہہ گئی ہے ہے غضب ہوا

چاندی کی لوسلائی میری کھو گئی موئی
ہُلڑ نگوڑ مارا یہ کاہے کا ہے دوئی
ہے ہے نکالی کسی نے بِتلے دانی سے سوئی
ناخون کاٹنے کی میری قینچی کیا ہوئی
لُڈّن کے گھنگھرو، بٹّو کی چھاگل بھی گر گئی
لو میرے سر کے تیل کی بوتل بھی گر گئی

کیا چھوٹی سیڑھیاں ہیں نگوڑی خدا کی مار
ایسا جہاز نوج ہو در گور دور پار
ہلتی بھی ہیں نگوڑیاں جن کو نہیں قرار
رسّی میں ڈنڈے باندھ دیئے گئے ہیں پانچ چار
زینہ نگوڑے ماروں نے کیسا بنایا ہے
یہ تو موؤں نے نٹ کا تماشا بنایا ہے

کپتان سے کوئی نہیں کہتا کہ کیوں موئے
بھر مٹھی دام تو نے تو ہم سب سے لے لیئے

روکا وہاں جہاز کنارے کو چھوڑ کے
آ آ کے جس جگہ یہ ستاتے ہیں رُخ چڑھے
بیوی کی جھاڑو ایسے موئے بدمعاش پر
اُترے یہاں پہ کوئی کہاں اس کی لاش پر
ننھی سی گوگیاں کوئی اتنی بڑی چڑھائی
پیروں سے نکلی جاتی ہے پھسلن سے زیرپائی
ہے ہے نگوڑی بھیگ گئی سب نئی رضائی
بی بی یہ بندی ایسی زیارت سے باز آئی
قربان جاؤں اے میرے مولا بچائیے
لونڈی کو اپنی آن کے آقا بچائیے
پہنچوں گی اب کی گرچہ اصل خیر سے میں گھر
بی بی امیٹھے کان کروں گی نہ پھر سفر
قسمت میں کھانا ٹھوکریں لکھا تھا دربدر
ہچکولے مجھ کو یاد رہیں گے یہ عمر بھر
وہ کون لوگ ہیں جو آتے ہیں بار بار
سچ ہے بُوا کہ گھر ہے غنیمت ہزار بار

ضمیر جعفری

مجھے ذوقِ تماشا لے گیا تصویر خانے میں

میرے پیشِ نظر ہے ایک سستے ریٹ کا سینما
یہی لاہور کے مستانے مستی گیٹ کا سینما
وہ شور اٹھتا ہے اونچی سیٹیوں کا فحش گانوں کا
کہ جیسے کوئی ہنگا الیکشن کے زمانوں کا

اُدھر پردے سے جیسے ہی کوئی عورت دکھائی دی
کہ بچوں نے اِدھر آغوشِ مادر کی دہائی دی
جو پکچر میں ذرا سا بھی وصالِ یار ہو جائے
تو اہلِ دل کی پوری زندگی دشوار ہو جائے

اُدھر جب نرگسوں اور کرگسوں کا سامنا ہو گا
اِدھر عشاقِ دل بردست میں محشر بپا ہو گا
کبھی رقصِ مسرت میں کبھی جوشِ رقابت میں
براہِ راست سب شامل ہیں ہیرو کی محبت میں

یہاں جب فلم اکثر اتفاقاً ٹوٹ جاتی ہے
تو اہلِ ذوق کی نبضِ تحمل چھوٹ جاتی ہے

فضا میں گونج اٹھتی ہے کئی اقسام کی گالی
کبھی اس نام کی گالی کبھی اس نام کی گالی

وہ دیکھو ایک اونچے پیڑ پر گانے لگا ہیرو
تڑپ کر خود زمانے بھر کو تڑپانے لگا ہیرو

اکیلے ہاتھ سے دس بیس تلواریں چلاتا ہے
جہاں چڑھنا بھی مشکل ہے وہاں سے کود جاتا ہے

یہ جب نکلے گا موٹر لے کے ٹکر کھا کے آئے گا
بڑی محنت سے کوئی حادثہ فرما کے آئے گا

اگر مفلس ہے خود تو عشق مالا مال لڑکی سے
وگرنہ ڈھونڈ کر قلاش و خستہ حال لڑکی سے

وہ چہرہ سامنے آیا پری تمثال ہے گویا
یہ دُنیا خوب صورت لڑکیوں کی ٹال ہے گویا

محبت میں خیالِ خودکشی پیہم ضروری ہے
کہ مرنا سخت لازم ہے کہ جینا کم ضروری ہے

نہ گھبراؤ نہ گھبراؤ اگر یہ مر بھی جائے گا
تو ہیروئن کی شادی پر یقیناً لوٹ آئے گا

ہیروئن بھی پرانی مہرباں معلوم ہوتی ہے
بسا اوقات تو ہیرو کی ماں معلوم ہوتی ہے

بغیر ساز و نغمہ خودکشی بھی کر نہیں سکتی
کہ جب تک ٹھمریاں ٹھمرانہ لے گی مر نہیں سکتی

کلیجہ تھام لو مجرے کی محفل جمنے والی ہے
یہ محفل جم گئی صاحب تو پھر کب تھمنے والی ہے

میاں قوّال نے لَٹ اس طرح لٹکا کے رکھی ہے
کہ جیسے ریس کے گھوڑے نے دُم کترا کے رکھی ہے

ابھی کیا ہے، ابھی اِک گیروا سادھو بھی آئے گا
فقط آنے کے کیا معنی وہ گانا بھی سُنائے گا

یہ سادھو بات سے حالات کا رُخ موڑ دیتا ہے
کہانی کے سب اجزائے پریشاں جوڑ دیتا ہے

وہ دیکھو، لب ہلے، گا کر رہے گا جانتے ہیں ہم
ہمارے گھر ہی کا تو مال ہے پہچانتے ہیں ہم

ہمارا اور اس سادھو کا یارانا پرانا ہے
کہ ہر پکچر میں اک مدت سے اس کا آنا جانا ہے

واہی

ملازمت

"کیا بود و باش پوچھو ہو پُورب کے ساکنو!
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے"

گو آج تیل بیچ رہے ہیں گلی گلی
لیکن کبھی تھے ہم بھی چراغ اس دیار کے

ایم اے کیا تھا پاس بڑے امتیاز سے
اُمید تھی کہ دیکھیں گے دن اقتدار کے

دن رات صبح و شام تلاشِ معاش میں
گیڑے بنے رہے ورقِ اشتہار کے

درخواست دی، جہاں نظر آئی کوئی جگہ
ان مرحلوں سے گزرے جو تھے اختیار کے

انٹرویو کے نام پر ہر بار بورڈ میں

جی بھر کے امتحاں بھی ہوئے خاکسار کے
یوں ماہروں نے ہم کو سوالات میں کسا
مُجرم پڑا ہو جیسے شکنجے میں دار کے
قائل کیا انہیں مگر اپنے جواب سے
پلٹے تو سا کھ اپنی دلوں سے اتار کے
لیکن رزلٹ جب ہُوا آؤٹ تو گول تھے
قُربان جائیں گردشِ لیل و نہار کے
ہر بار یہ ہُوا کہ کوئی فون آگیا
گھر سے کِسی مُدبّرِ با اختیار کے
اُن کا کوئی عزیز کسی دوست کا پسر
چکّر میں پڑ گیا تھا غمِ روزگار کے
درخواست تک نہ دی تھی مگر حکمِ خاص سے
زُمرے میں لے لیا گیا امیدوار کے
انٹرویو بغیر تقرر بھی ہو گیا
ہم خواب دیکھتے ہی رہے اقتدار کے
اس دھاندلی کے دور میں ذوی علم کیا کریں
بیچیں اگر نہ تیل اُمنگوں کو مار کے

افضل پرویز

انتخابی تقریر

ایک میراثن کسی گاؤں میں رہتی تھی کبھی
اس کی بذلہ سنجیوں پہ ناز کرتے تھے سبھی

ایک وقت آیا کہ اس کی جگ ہنسائی ہو گئی
اور قصبے ہی کے لوگوں سے لڑائی ہو گئی
اس کی کرتوتوں سے جب تنگ آ گئے بستی کے لوگ
تنگ آ کر، برسرِ جنگ آ گئے بستی کے لوگ
گاؤں کی چوپال میں آئی وہ بھنائی ہوئی
غیض میں بپھری ہوئی غصّے میں جھلّائی ہوئی
اپنی کل پونجی بس اِک مرغا اور اک بقچی لیے
رنج کی تلخی سمیٹے طیش کی گرمی لیے

گفتگو کی رو میں لاوے کی طرح بہنے لگی
سارے لوگوں کو اکٹھا کر کے وہ کہنے لگی
مُونڈی کاٹو، بے حیاؤ، باغیو، بد باطنو
گاؤں کے غدارو، بھڑوؤں، بد قماش وظالمو
تم کہ اپنی مُحسنہ کی آبرو پر حرف لائے
غرق ہو جاؤ، تمہاری آبرو پر حرف آئے
مجھ پر تہمت دھرنے والوں کو خدا غارت کرے
میری غیبت کرنے والوں کو خدا غارت کرے
مجھ نگوڑی کو ستانے والو پچھتاؤ گے تم
اور بُرے اعمال کے بدلے سزا پاؤ گے تم
اپنے اکلوتے حسین مُرغے کو لے جاؤں گی میں
جاتے جاتے گاؤں کو اک داغ دے جاؤں گی میں
اس بُجرے میں تمہیں محروم ہی کر جاؤں گی
اور سحر سے میں تمہیں محروم ہی کر جاؤں گی
کون آسا کے سروں میں ککڑ کوں اُوں گائے گا
دیکھ لوں گی میں کہ پھر کیونکر سویرا آئے گا

کُوچ کرتا ہے خوشی کا قافلہ، اب روک لو
اُٹھو، آؤ، منتیں کر کے مجھے سب روک لو
جاگنا ہے جاگ لو افلاک کے سائے تلے
حشر تک سوتے رہو گے خاک کے سائے تلے

کاذب مالوی

اِنٹرویو

میں نے ٹیچرز کا ایک بار لیا انٹرویو
تجربہ یہ ہوا بیکار لیا انٹرویو
اب بھی اس وقت کی جب یاد کبھی آتی ہے
مجھ کو بے ساختہ ان سب پہ ہنسی آتی ہے

○

ایک صاحب جو مڈل پاس تھے بلوائے گئے
یہ سمجھ لو کہ 'پریکشا' کے لیے لائے گئے
ان سے پوچھا "ذرا بتلاؤ تو ایٹم کیا ہے؟"
بولے "دُنیا کا خطرناک ترین آلہ ہے
نازیوں نے بڑی محنت سے بنایا تھا اسے
اور جاپان پہ چرچل نے گرایا تھا اُسے"
میں نے اک دوسرے صاحب کو بلا کر پوچھا

"لوگ کہتے ہیں کہ انسان کبھی بندر تھا
اگر کچھ جانتے ہو آپ تو اتنا کیجئے
ڈارون تھیوری ہی تفصیل سے سمجھا دیجئے"
بولے وہ میرے سوالوں سے بھی آگے بڑھ کر
"اس نتیجے پہ میں پہنچا ہوں یہ تھیوری پڑھ کر
جبکہ دشوار تھا ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسّر نہ تھا انساں ہونا
جانور اصل میں اِنسان کے اندر ہی تھا
آدمی کل ہے کو تھا اک طرح سے بندر ہی تھا"

تیسرے جو کہ حقیقت میں تھے کولہو کے بیل
ہو رہے تھے جو کئی سال سے انٹر میں فیل
ان سے پوچھا "بھلا کون تھے 'قدوائی جی'؟"
بولے "کشمیر کی سازش ہے انھیں پر مبنی"
پھر جو پوچھا "بھلا بتلاؤ ہے نیپال کہاں ہم؟
بولے "بھارت میں نہیں یہ تو ہے ہم سب پہ عیاں

روس میں ہوگا یا جاپان میں ہوگا صاحب
ورنہ ایران یا طوران میں ہوگا صاحب

جو تھے باتوں کے بنانے میں بڑے ماہر تھے
گفتگو سے ہُوا ظاہر وہ کوئی شاعر تھے
میں ابھی سوچ رہا تھا کہ کیا پوچھوں ان سے
میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ خود بول اٹھے
”نوکری دینے پہ کوئی مجھے راضی نہ ہُوا
یہ ہے وہ لفظ جو شرمندۂ معنی نہ ہُوا“
میں نے پوچھا کہ کہو کون تھا رانا سانگا
اسی کوُ سچن پہ ان حضرت نے تھا پانی مانگا

ایک سے نہرو کے بارے میں پوچھا تو کہا
گوڈسے نام کے پاپی نے انہیں مار دیا
ایک نے گاندھی کو آسام کا راجہ سمجھا
ایک نے ان کو جواہر کا بھتیجا سمجھا

زید اور عمرو بکر ہی کیا کوئی رواں نکلا
جو بھی اس بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا
میں نے ان سب سے کہا "خوب رہے گھر جاؤ
ملک اور قوم کے بچوں پہ کرم فرماؤ"

مسٹر دہلوی

ماڈرن بنجارہ نامہ

(نظیر اکبر آبادی کی نظم 'بنجارہ نامہ' کی پیروڈی)

اے آدم اس سے پنڈ چھڑا
یہ نفس تیرا ہے امارہ
دیکھے گا اجل کی شکل جونہی
ہو گا یہ وہیں نو دو گیارہ
کیا وارے نیارے ہر دم کے
ہر آن کی کیا یہ پو بارہ
کیا ہنڈی، چیک بک، لوٹ، شیئر
کیا نوٹوں کا یہ پشتارا
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا بنجارا
گو چومتے ہیں سب ہاتھ ترے

اور تو ہے بڑا اِک مولانا
مت بھول کہ غافل تجھ کو بھی
اِک روز یہاں سے ہے جانا
کیا بکرے ، نقدی ، شیرینی
کیا نذر نیاز اور نذرانہ
کیا دعوت صبح و شام تری
کیا مُرغ مُسلّم روزانہ
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا بنجارا
تو سب سے بڑا انجنئیر ہے
مشہور ہے تیری کاریگری
آکاش کو چھوتی بلڈنگ ہے
پاتال میں ہے تعمیر بڑی
کیا بند ہے گہرے ساگر میں
کیا کوہ و دمن میں ریل تیری
کیا روغن رنگ اور ڈسٹیمپر

کیا لوہا سیمنٹ اور لکڑی
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا بنجارا
ہاں تو ہے بڑے گھر کی بیگم
چلتا ہے اشارے پر شوہر
ہے گھی میں پانچوں انگلیاں تر
کل ہوگا کڑاہی میں بھی سر
کیا بنگلے موٹر فرنیچر
اِک ایک قدم پر اک نوکر
کیا کپڑے لتّے اور زیور
کیا ہاتھ ہلے بِن لُقمہ تر
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا بنجارا
لیڈر ہی سہی تو چوٹی کا
مضبوط سہی تیرے پھندے
سُن مُرغِ اجل کی بانگ تری

اسکیم کے انڈے ہوں گندے
کیا دَورے ، جلسے ، تقریریں
کیا شہرت نعرے اور چندے
کیا سازش اور گٹھ جوڑ تری
کیا پرمٹ ٹنڈر کے دھندے
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا بنجارا
سب تجھ کو مسیحا کہتے ہیں
اور در پر بھیڑ اکٹھی ہے
رکھ یاد مسیحائی بھی تری
اِک دھوکے ہی کی ٹٹّی ہے
کیا جان بچاؤ اُدویۂ
کیا مکسچر کڑوی کھٹّی ہے
کیا کایا کلپ کے انجکشن
کیا نشتر مرہم پٹی ہے

سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا بنجارا
سرکار میں تو اک افسر ہے
ہیبت بھی ہے چاروں طرف تری
آیا جو اجل کا ڈی، او، تو
رہ جائے گی ساری دھونس دھری
کیا افسر تیرے اور کلرک
اسٹینو، پی اے، سیکرٹری
کیا چوکی پہرہ چاروں طرف
کیا آگے پیچھے اُرڈرلی
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا بنجارا
سائنس میں ہے شہرت جو تری
رکھ ذہن میں تو بھی یہ پیارے
دُنیا کو کھلاتا آگ ہے جو
پھکتا ہے وہ بھی انگارے

کیا ایٹم اور ہائیڈروجن بم
کیا گیس بھرے یہ غبارے
کیا راکٹ اور خود کار میزائل
کیا یہ طفیلی سیارے
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا بنجارا
یہ شعر و سخن کی دنیا میں
تیری ہی اجارہ داری ہے
ہر شعر تو کیا مصرع بھی ترا
دیواں کے عدو کے بھاری ہے
کیا شعر کی ہر شب محفل ہے
کیا تیری خاطر داری ہے
کیا موٹی موٹی رقمیں ہیں
کیا داد کی گولہ باری ہے
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا بنجارا

دلاور فگار

پرائیویٹ بس

گھر آنے کو جب مل نہ سکی کوئی سواری
سوچا کہ چلو چل کے پکڑ لیں کوئی لاری
جس بس میں سفر کرنے کو مجبور ہوئے ہم
اس بس کا 'خداوند' تھا اک ہٹلرِ اعظم
اس سوچ میں تھا بس کو چلائے نہ چلائے
ڈرتا تھا کہ رستے میں دھرا ٹوٹ نہ جائے

جب چڑھ گئی ہر ایک سواری پہ سواری
اس وقت بریلی سے روانہ ہوئی لاری
اللہ رے لاری کی وہ اٹھلاتی ہوئی چال
میکے سے دلہن چلنے لگی جانبِ سسرال
لاری کو گوارا ہی نہ تھی منتِ مہمیز

آزاد طبیعت تھی کبھی سست کبھی تیز
رستے میں ہر اُفتاد مصیبت کا تھا امکاں
لاری ہی پہ لکھا تھا کہ اللہ نگہباں
سیدھی عدم آباد کو جاتی تھی یہ لاری
مخلوق کو خالق سے ملاتی تھی یہ لاری
ملتا تھا ٹکٹ بس میں شہیدوں کے جہاں کا
دُنیا سے گذرنا سفر ایسا ہے کہاں کا
یوں ہارن بجاتی تھی کہ سُنکر کوئی ڈر جائے
مطلب یہ تھا رہگیر نہ مرتا ہو تو مر جائے
چلتی تھی ہر اک گام پہ پیتے ہوئے پانی
چہرے سے عیاں تھا اثرِ سوزِ نہانی

دھکّے نہ لگیں اس کو تو ہوتی نہ تھی اسٹارٹ
کیا جانے وہ لاری تھی کہ تھی کوئی بل کارٹ
کچھوے کی طرح چلتی تھی جب ناز دکھاتی
راکٹ کی طرح اڑتی تھی جب موڈ میں آتی

یہ کہہ کے ٹریفک کو بناتی تھی نشانہ
سلطانیٔ جمہور کا آیا ہے زمانہ!
اس غم میں کہ رل جائے کوئی اور سواری
ہر گورِ غریباں پہ ٹھہر جاتی تھی لاری

لاری میں مسافر تھے پریشان وزبوں حال
لے آئی تھی لاری میں انہیں شامتِ اعمال
کھڑکی سے لگی بیٹھی تھی اک شوخ نگارا
کھڑکی پہ یہ لکھا تھا کہ اِک تیرا اسہارا
اِک دیو قوی جثّہ بھی موجود تھے ہم میں
قارون کا خزانہ لیے بیٹھے تھے شکم میں
وہ خود کو ہماری ہی طرف پیل رہے تھے
ہم جرمِ شرافت کی سزا جھیل رہے تھے
یہ کہتے تھے، دیتے تھے جب ہم اور زیادہ
'اللہ کرے زورِ شکم اور زیادہ'
آگے جو بڑھے ہم تو ملی راہِ سفر بند

لاری تھی حوالات مسافر تھے نظر بند
اتنے میں خبر آئی بُرا وقت پڑا ہے
پیدل ہی چلے جاؤ دُھرا ٹوٹ گیا ہے

لاری نے کسی طرح قدم ہی نہ بڑھائے
ہم خود ہی بدایوں تک اُسے کھینچ کے لائے
رستے میں کچھ اس زور سے جھٹکے لگے دو تین
کچھ لوگ جو کمزور تھے پڑھنے لگے یٰسین
گھر پہنچے تو اس شان سے ہم دھول میں اَٹ کر
جیسے ابھی آئے ہیں صحارا سے پلٹ کر

حاجی لق لق

مقصدِ حیات

زندگی کیا چیز ہے، کس دیس کی سوغات ہے
آؤ ہم بتلائیں کیوں جیتے ہیں ہم، کیا بات ہے
زندگی اپنی نمائش گاہِ بہارستان ہے
چار دن بجلی کا لیمپ اور پھر اندھیری رات ہے

آئے ہیں دُنیا میں ہم کچھ کام کرنے کے لیے
کچھ خدا سے اور کچھ بیوی سے ڈرنے کے لیے

ہے جوانوں کے لیے سینما میں جانا زندگی
جیب میں پائی نہ ہو، ٹائی لگانا زندگی
مہ وشوں سے باغ میں آنکھیں لڑانا زندگی
غسل خانے میں اکیلے گنگنانا زندگی

عشق بازی اور موسیقی نہیں تو کچھ نہیں
اور کچھ کچھ مَے سے، دلچسپی نہیں تو کچھ نہیں

شعر کہنا بھی بنا جاتا ہے جُزوِ زندگی
نام چھپ جانا رسالے میں ہے حدِّ شاعری
نثر میں اشعار کہہ لینا ہے اک صنعت نئی
اور اگر یہ بھی نہیں ، خالی تخلص ہی سہی

نام کے ساتھ ایک دو الفاظ کی دُم چاہیئے
شعر پھیکا ہی سہی لیکن ترنم چاہیئے

زندگی کا ایک مقصد لیڈری کرنا بھی ہے
چندہ کھا کر قوم کی اُلفت کا دم بھرنا بھی ہے
ملک پر جان دینا لفظی طور پر مرنا بھی ہے
اس پہ 'مردہ باد' کے نعروں سے کچھ ڈرنا بھی ہے

گرم جلسوں میں رہے ہنگامۂ کون و فساد
کان میں آتے رہیں بس نعرہ ہائے انقلاب

مقصدِ حجام ہے عورت بنانا مرد سے
مقصد اپنا ہے ڈرانا بُت کو آہِ سرد سے
کام کُتّوں کا سدا آوارہ کوچہ گرد سے
ڈاکٹر کے 'ایکس رے' سے اور دلِ پُر درد سے

یہ ایڈیٹر کا ہے مقصد جنگ چھڑ جائے کہیں
یہ نہیں تو مُسلم ہندو ہی بھڑ جائے کہیں

کام بیکاروں کا ہے شام و سحر غم دیکھنا
اہلِ دفتر کی طرف با چشمِ پُرنم دیکھنا
گُو بہ گُو قومی رضا کاروں کا اودھم دیکھنا
صبح دم اخبار میں ’وانٹیڈ‘ کا کالم دیکھنا

اِن غریبوں کا کوئی مقصد بھی بر آتا نہیں
اب کہیں لکھا ’ضرورت ہے‘ نظر آتا نہیں

زندگی کے اور مقصد بھی ہیں انساں کے لیے
کوئی ایواں کے لیے کوئی زنداں کے لیے
کوئی گلشن کے لیے کوئی بیاباں کے لیے
اور تعلق ہے تو افکارِ پریشاں کے لیے

رات دن اُس کا قلم مصروفِ ’لق لقیات‘ ہے
چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیری رات ہے

جوشؔ ملیح آبادی

رِشوت

لوگ، ہم سے روز کہتے ہیں یہ عادت چھوڑیے
یہ تجارت ہے خلافِ آدمیت چھوڑیے
اس سے بدتر لَت نہیں ہے کوئی یہ لَت چھوڑیے
روز اخباروں میں چھپتا ہے کہ رشوت چھوڑیے
بھول کر بھی جو کوئی لیتا ہے رشوت چور ہے
آج قومی پاگلوں میں رات دن یہ شور ہے

کس کو سمجھائیں، اِسے کھودیں تو پھر پائیں گے کیا
ہم اگر رشوت نہیں لیں گے تو پھر کھائیں گے کیا
قید بھی کر دیں تو ہم کو راہ پر لائیں گے کیا
یہ جنونِ عشق کے انداز چھُٹ جائیں گے کیا
ملک بھر کو قید کر دے کس کے بس کی بات ہے
خیر سے سب ہیں کوئی دو چار دس کی بات ہے؟

یہ ہوس، یہ چور بازاری ، یہ مہنگائی ، یہ بھاؤ
رائی کی قیمت ہو جب پربت تو کیوں آئے نہ تاؤ
اپنی تنخواہوں کے نالے میں ہے پانی آدھ پاؤ
اور لاکھوں ٹن کی بھاری اپنے جیون کی ہے ناؤ
جب تلک رشوت نہ لیں ہم دال گل سکتی نہیں
ناؤ تنخواہوں کی تو پانی میں چل سکتی نہیں

رشوتوں کی زندگی ہے چور بازاری کے ساتھ
چل رہی ہے یہ زری احکام زرداری کے ساتھ
پھرتیاں چوہوں کی ہیں بلی کی طراری کے ساتھ
آپ روکیں خواہ کتنی ہی ستم گاری کے ساتھ
ہم نہیں ہلنے کے سن لیجئے کسی بھونچال سے
کام یہ چلتا رہے گا آپ کے اقبال سے

یہ ہے مل والا ، وہ بنیا ہے ، یہ ساہوکار ہے
یہ ہے دوکاندار وہ ہے وید، یہ عطار ہے
وہ اگر ٹھگ ہے تو یہ ڈاکو ہے وہ بٹ مار ہے
آج ہر گردن میں کالی جیت کا اک ہار ہے

حیف ملک و قوم کی خدمت گذاری کے لیے
رہ گئے ہیں اِک ہمیں ایمانداری کے لیے

بھوک کے قانون میں ایمانداری جُرم ہے
اور بے ایمانیوں پر شرمساری جُرم ہے
ڈاکوؤں کے دَور میں پرہیزگاری جُرم ہے
جب حکومت خام ہو تو پختہ کاری جُرم ہے

لوگ اٹکاتے ہیں کیوں روڑے ہمارے کام میں
جس کو دیکھو خیر سے ننگا ہے وہ حمام میں

دیکھئے جس کو بغل میں وہ دبائے ہے چھُرا
فرق کیا اس میں کہ مُجرم سخت ہے یا بھُربھُرا
غم تو اس کا ہے زمانہ ہے کچھ ایسا کھُردرا
ایک مُجرم دوسرے مُجرم کو کہتا ہے بُرا

ہم کو جو چاہیں سو کہہ لیں، ہم تو رشوت خور ہیں
ناصح مشفق بھی تو اللہ رکھے — چور ہیں

توند والوں کی تو، ہو آئینہ داری واہ واہ
اور ہم بھوکوں کے سر پر چاند ماری واہ واہ

ان کی خاطر صبح ہوتے ہی نہاری واہ واہ
اور ہم چاٹا کریں ایمانداری واہ واہ

سیٹھ جی تو خوب موٹر میں ہوا کھاتے پھریں
اور ہم سب جوتیاں گلیوں میں چٹخاتے پھریں

خوب حق کے آستاں پر اور جھکے اپنی جبیں
جائیے رہنے بھی دیجئے ناصحِ گردوں نشیں
توبہ توبہ، ہم بھڑی میں آکے اور دیکھیں زمیں
آنکھ کے اندھے نہیں ہیں گانٹھ کے پورے نہیں

ہم پھٹک سکتے نہیں پرہیز گاری کے قریب
عقل مند آتے نہیں ایمانداری کے قریب

اس گرانی میں بھلا کیا غنچۂ ایماں کھلے
جَو کے دانے سخت ہیں تانبے کے سکے پلپلے
جائیں کپڑے کے لیے تو دام سُنکر دل ہلے
جب گریباں تابہ دامن آئے تو کپڑا ملے

جان بھی دے دے تو سستے دام مل سکتا نہیں
آدمیت کا کفن ہے دوستو ——— کپڑا نہیں

صرف اِک پتلون سلوانا قیامت ہو گیا
وہ سلائی لی میاں درزی نے ننگا کر دیا
آپ کو معلوم بھی ہے چل رہی ہے کیا ہوا
صرف اِک ٹائی کی قیمت گھونٹ دیتی ہے گلا
ہلکی ٹوپی سر پہ رکھتے ہیں تو چکراتا ہے سر
اور جُوتے کی طرف بڑھیئے تو جُھک جاتا ہے سر
تھی بزرگوں کی جو بنیائن وہ بنیا لے گیا
گھر میں جو گاڑھی کمائی تھی وہ گاڑھا لے گیا
جسم کی اِک ایک بوٹی گوشت والا لے گیا
تن میں باقی تھی جو چربی گھی کا پیپا لے گیا
آئی تب رشوت کی چڑیا پنکھ اپنے کھول کر
ورنہ مر جاتے میاں کُتّے کی بولی بول کر
پتھروں کو توڑتے ہیں آدمی کے استخواں
سنگباری ہو تو بن جاتی ہے ہمت سائباں
پیٹ میں لیتی ہے لیکن بھوک جب انگڑائیاں
اور تو اور اپنے بچے کو چبا جاتی ہے ماں

کیا بتائیں بازیاں ہیں کس قدر مارے ہوئے
رشوتیں پھر کیوں نہ لیں ہم بھوک کے مارے ہوئے

آپ ہیں فضلِ خدائے پاک سے کرسی نشیں
انتظامِ سلطنت ہے آپ کے زیرِ نگیں
آسماں ہے آپ کا خادم تو لونڈی ہے زمیں
آپ خود رشوت کے ذِمّے دار ہیں فِدوی نہیں

بخشتے ہیں آپ دریا، کشتیاں کھیتے ہیں ہم
آپ دیتے ہیں مواقع رشوتیں لیتے ہیں ہم

ٹھیک تو کرتے نہیں دیوارِ ناہموار کو
دے رہے ہیں گالیاں گرتی ہوئی دیوار کو
سچ بتاؤں زیب یہ دیتی نہیں سرکار کو
پالیے بیماریوں کو، مارئیے بیمار کو

عِلّتِ رشوت کو اس دُنیا سے رخصت کیجیے
ورنہ رشوت کی دھڑلّے سے اجازت دیجیے

بد بہت بدشکل ہیں لیکن بدی ہے نازنیں
جڑ کو بوسے دے رہے ہیں پیڑ سے چلیں بر جبیں

آپ گو پانی اچھلتے ہیں بہ طرزِ دلنشیں
ناؤ کا سوراخ لیکن بند فرماتے نہیں

کوڑھیوں پر آستیں کب سے چڑھائے ہیں حضور
کوڑھ کو لیکن کلیجے سے لگائے ہیں حضور

دستکاری کے اُفق پر ابر بن کر چھائیے
جہل کے ٹھنڈے لہو کو علم سے گرمائیے
کارخانے کیجئے قائم مشینیں لائیے
ان زمینوں کو جو محوِ خواب ہیں چونکائیے

خواہ کچھ بھی ہو منڈھے یہ بیل چڑھ سکتی نہیں
ملک میں جب تک کہ پیداوار بڑھ سکتی نہیں

دل میں جتنا آئے لوٹیں قوم کو شاہ و وزیر
کھینچ لے خنجر کوئی، جوڑے کوئی چلے میں تیر
بے دھڑک پی کر غریبوں کا لہو اکڑے امیر
دیوتا بن کر رہیں تو یہ غلامانِ حقیر

دوستوں کی گالیاں ہر آن سہنے دیجئے
خانہ زادوں کو یونہی شیطان رہنے دیجئے

دام اِک چھوٹے سے کوزے کے ہیں سو جامِ بلور
مول لینے جائیں اِک قطرہ تو دیں نہر و قصور
اِک دیا جو بِکتا ہے ، مانگتا ہے شمع طور
اِک ذرا سے سنگریزے کی ہے قیمت کوہِ طور
جب یہ عالم ہے تو ہم رشوت سے کیا توبہ کریں
توبہ رشوت کیسی ، ہم چندہ نہ لیں تو کیا کریں

زُلف اس کو آپ پر بیٹو ، سلسلے کی ہے دراز
چھیڑتے ہیں ہم کبھی تو وہ کبھی رشوت کا ساز
گاہ ہم بنتے ہیں قمری گاہ وہ بنتے ہیں باز
آپ کو معلوم کیا آپس کا یہ راز و نیاز
ناؤ اپنی ہی کھولتے ہیں اور کھیتے بھی ہیں
رشوتوں کے لینے والے رشوتیں دیتے بھی ہیں

بادشاہی تخت پر ہے آج ہر شے جلوہ گر
پھر رہے ہیں ٹھوکریں کھاتے زر و لعل و گوہر
خاص چیزیں ؟ قیمتیں ان کی تو ہیں افلاک پر
آب خورہ مُنہ پھلاتا ہے اٹھنی دیکھ کر

چودہ آنے سیر کی آواز سُن کر آج کل
لال ہو جاتا ہے غصّے سے ٹماٹر آج کل

نسترن میں ناز باقی ہے نہ گُل میں رنگ و بُو
اب تو ہے صحنِ چمن میں خار و خس کی آبرو
خوردنی چیزوں کے چہرے سے ٹپکتا ہے لہو
روپے کا رنگ فق ہے، اشرفی ہے زرد رو
حال کے سکّے کو جو ماضی کا سکّہ دیکھ لے
سو روپے کے نوٹ کے منہ پر دوّنی تھوک دے

نظیر اکبر آبادی

بنجارا نامہ

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں
مت دیس بدیس پھرے مارا
قزاق اجل کا لوٹے ہے
دن رات بجا کر نقارا
کیا بدھیا، بھینسا، بیل، شتر
کیا گونیں پلّہ سر بھارا
کیا گیہوں، چاول، موٹھ، مٹر
کیا آگ دھواں اور انگارا
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا بنجارا
جب تو ہے لکھی بنجارا
اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے

اے غافل تجھ سے بھی چڑھتا
اِک اور بڑا بیوپاری ہے
کیا شکّر، مصری، قند گری
کیا سانبھر میٹھا کھاری ہے
کیا دال، منقّہ، سونٹھ، مرچ
کیا کیسر، لونگ، سپاری ہے
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا بنجارا

تُو بدھیا لادے بیل بھرے
سو پورب پچھم جاوے گا
یا سُود بڑھا کر لاوے گا
یا ٹوٹا گھاٹا پاوے گا
قزّاق اجل کا رستے میں
جب بھالا مار گراوے گا
دھن دولت نانی پوتا کیا
اِک کُنبہ کام نہ آوے گا

سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا بنجارا۔

جب چلتے چلتے رستے میں
یہ گون تری رہ جاوے گی
اک بدھیا تیری مٹی پر
پھر گھاس نہ چرنے پاوے گی
یہ کھیپ جو تو نے لادی ہے
سب حصّوں میں بٹ جاوے گی
دھی ، پوت ، جمائی ، بیٹا کیا
بنجارن پاس نہ آوے گی
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا بنجارا

یہ کھیپ بھرے جو جاتا ہے
یہ کھیپ میاں مت گن اپنی
اب کوئی گھڑی پل ساعت میں
یہ کھیپ بدن کی ہے کفنی

کیا تھال کٹوری چاندی کی
کیا پیتل کی ڈبیا ڈھکنی
کیا برتن سونے چاندی کے
کیا مٹی کی ہنڈیا اپنی
سب ٹھاٹ پڑا جاوے گا
جب لاد چلے گا بنجارا
یہ دھوم دھڑکا ساتھ لیے
کیوں پھرتا ہے تو جنگل جنگل
اک تنکا ساتھ نہ جاوے گا
موقوف ہوا اب ان اور جل
گھر بار اٹاری چوباری
کیا خاصا، نین سکھ اور ململ
کیا چلمن، پردے، فرش نئے
کیا لال پلنگ اور رنگ محل
سب ٹھاٹ پڑا رہ جاوے گا
جب لاد چلے گا بنجارا

کچھ کام نہ آوے گا تیرے
یہ لال و زمرد سیم و زر
جب پونجی باٹ میں بکھرے گی
ہر آن بنے گی جان اوپر
نوبت، نقّارے، بان، نشاں
دولت، حشمت، فوجیں، لشکر
کیا مسند، تکیہ، ملک، مکاں
کیا چوکی، کرسی، تخت، چھتّر
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا بنجارا
کیوں جی پر بوجھ اٹھاتا ہے
ان گونوں بھاری بھاری کے
جب موت کا ڈیرا آن پڑا
پھر دونے ہیں بیوپاری کے
کیا ساز جڑاؤ، زر زیور
کیا گوٹے تھان کناری کے

کیا گھوڑے زین سنہری کے
کیا ہاتھی لال انباری کے
سب ٹھاٹ پڑا رہ جاوے گا
جب لاد چلے گا بنجارا
مغرور نہ ہو تلواروں پر
مت پھول بھروسے ڈھالوں کے
سب پتہ توڑ کے بھاگیں گے
مُنہ دیکھ اجل کے بھالوں کے
کیا ڈبے موتی ہیروں کے
کیا ڈھیر خزانے مالوں کے
کیا بُقچے، تاش مُشجر کے
کیا تختے شال دوشالوں کے
سب ٹھاٹ پڑا رہ جاوے گا
جب لاد چلے گا بنجارا
کیا سخت مکان بنواتا ہے
کھنبھ تیرے تن کا ہے پولا

تو اونچے کوٹ اٹھاتا ہے

واں گور گڑھے نے منہ کھولا

کیا رینی، خندق، رند بڑے

کیا برج کنگورا انمولا

گڑھ، کوٹ، رہکلا، توپ قلعہ

کیا شیشہ، دارو اور گولا

سب ٹھاٹ پڑا رہ جاوے گا

جب لاد چلے گا بنجارا

ہر آن نفع اور ٹوٹے میں

کیا مرتا پھرتا ہے بَن بَن

ٹک غافل دل میں سوچ ذرا

ہے ساتھ لگا تیرے دُشمن

کیا لونڈی، باندی، دائی، دوا

کیا بندہ چیلا نیک چلن

کیا مسجد، مندر، تال کنواں

کیا کھیتی باڑی، پھول چمن

سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا بنجارا
جب مرگ پھرا کر چابک کی
یہ بیل بدن کا ہانکے گا
کوئی تاج سمیٹے گا تیرا
کوئی گون سیئے اور ٹانکے گا
ہو ڈھیر اکیلا جنگل میں
تو خاک لحد کی پھانکے گا
اس جنگل میں پھر آہ نظیرؔ
اِک تنکا آنے نہ جھانکے گا
سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا بنجارا

روٹیاں

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں
پھولی نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں
آنکھیں پری رخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں
سینے اُپر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں
جتنے مزے ہیں سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی سے جس کا ناک تلک پیٹ ہے بھرا
کرتا پھرے ہے کیا وہ اُچھل کُود جا بجا
دیوار پھاند کر کوئی کوٹھا اُچھل گیا
ٹھٹھا، ہنسی، شراب، سنک، ساقی اس سوا
سو سو طرح سے دھوم مچاتی ہیں روٹیاں

پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے
یہ مہر و ماہ حق نے بنائے ہیں کاہے سے
وہ سُن کے بولا "بابا خدا تجھ کو خیر دے
ہم تو نہ چاند سمجھیں نہ سورج ہیں جانتے
بابا ہمیں تو نظر آتی ہیں روٹیاں"

روٹی نہ پیٹ میں ہو تو پھر کچھ جتن نہ ہو
میلے کی سیر، خواہشِ باغ وچمن نہ ہو
بھوکے غریب دل کی خدا سے لگن نہ ہو
سچ ہے کہا کسی نے کہ بھوکے بھجن نہ ہو
اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

روٹی سے ناچے پیادہ قواعد دکھا دکھا
اسوار ناچے گھوڑے کو کاوا لگا لگا
گھنگھرو کو باندھے پیک بھی پھرتا ہے ناچتا
اور اس کے سوا غور سے دیکھو تو جا بجا
سو سو طرح کے ناچ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی کے ناچ تو ہیں سبھی خلق میں پڑے
کچھ بھانڈ بھیگتے یہ نہیں، پھرتے ناچتے
یہ رنڈیاں جو ناچے ہیں گھونگھٹ کو منہ پہ لے
گھونگھٹ نہ جانو دوستو تم زینہار اسے
اس پردے میں یہ اپنی کماتی ہیں روٹیاں

دُنیا میں اب بدی نہ کہیں اور نکوئی ہے
یا دُشمنی ودوستی یا تند خوئی ہے

کوئی کسی کا اور کسی کا نہ کوئی ہے
سب کوئی ہے اسی کا کہ جس ہاتھ ڈوئی ہے
نوکر، نفر، غلام بناتی ہیں روٹیاں

روٹی سے اب ازل سے ہمارا تو ہے خمیر
روکھی ہی روٹی حق میں ہمارے ہے شہد و شیر
یا پتلی ہووے موٹی خمیری ہو یا فطیر
گیہوں، جوار، باجرے کی جیسی بھی ہو نظیر
ہم کو تو سب کی طرح خوش آتی ہیں روٹیاں

آدمی نامہ

دُنیا میں پادشاہ ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
زردار، بے نوا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے چبا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

ابدال، قطب، غوث، ولی، آدمی ہوئے
منکر بھی آدمی ہوئے اور کُفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے لیے
حتیٰ کہ اپنے زہد و ریاضت کے زور سے
خالق سے جا ملا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

فرعون نے کیا تھا جو دعوئے خدائی کا
شدّاد بھی بہشت بنا کر خدا ہُوا
نمرود بھی خدا ہی کہلاتا تھا برملا
یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا
یاں تک جو ہو چکا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی نار ہے اور آدمی ہی نُور
یاں آدمی ہی پاس ہے اور آدمی ہی دُور
کل آدمی کا حسن و قبح میں ہے یاں ظہور
شیطاں بھی آدمی ہے جو کرتا ہے مکر و زور
اور ہادی رہنما ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں

بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نمازیاں
اور آدمی ہی ان کی چراتے ہیں جوتیاں
جو ان کو تاڑتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی
اور آدمی پہ تیغ کو مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اتارے ہے آدمی
چلّا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سُن کے دوڑتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

چلتا ہے آدمی ہی مسافر، ہو، لے کے مال
اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلے میں ڈال
یاں آدمی ہی صید ہے اور آدمی ہی جال
سچا بھی آدمی ہی نکلتا ہے، میرے لال
اور جھوٹ کا بھرا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی شادی ہے اور آدمی بیاہ
قاضی، وکیل، آدمی اور آدمی گواہ

تاشے بجاتے آدمی چلتے ہیں خواہ مخواہ
دوڑے ہے آدمی ہی تو مشعل جلا کے راہ
اور بیاہنے چڑھا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

اور آدمی نقیب ہو، بولے ہے بار بار
اور آدمی ہی پیادے ہیں اور آدمی سوار
حُقّہ، صراحی، جوتیاں دوڑیں بغل میں مار
کاندھے پہ رکھ کے پالکی ہیں دوڑتے کہار
اور اس میں جو پڑا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دوکانیں لگا لگا
اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خوانچا
کہتا ہے کوئی 'لو' کوئی کہتا ہے 'لا رے لا'
کس کس طرح کی بیچیں ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

طبلے، مجیرے، دائرے، سارنگیاں بجا
گاتے ہیں آدمی ہی ہر اک طرح جا بجا
رنڈی بھی آدمی ہی نچاتے ہیں گت لگا

اور آدمی ہی ناچتے ہیں اور دیکھ پھر مزا
جو ناچ دیکھتا ہے ، سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی لال و جواہر ہیں بے بہا
اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہے ہو گیا
کالا بھی آدمی ہے کہ اُلٹا ہے جُوں توا
گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا ہے چاند کا
بدشکل بدنما ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

اِک آدمی ہیں ، جن کے کچھ زرق برق ہیں
روپے کے جن کے پاؤں ہیں سونے کے فرق ہیں
جُھمکے تمام غرب سے لے تا بہ شرق ہیں
کمخواب ، تاش ، شال ، دُشالوں میں غرق ہیں
اَور چیتھڑوں لگا ہے ، سو ہے وہ بھی آدمی

حیراں ہوں یارو دیکھو تو یہ کیا سوانگ ہے
یاں آدمی ہی چور ہے اور آپ ہی ٹھانگ ہے
ہے چھینا جھپٹی اور کہیں مانگ تانگ ہے
دیکھا تو آدمی ہی یہاں مثلِ رانگ ہے

فولاد سے گھڑا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار
نہلا دُھلا اُٹھاتے ہیں، کاندھے پہ کر سوار
کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں، روتے ہیں زار زار
سب آدمی ہی کرتے ہیں، مُردے کا کاروبار
اور وہ جو مر گیا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر
یہ آدمی ہی کرتے ہیں سب کارِ دلپذیر
یاں آدمی مُرید ہے اور آدمی ہی پیر
اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیر
اور سب میں جو بُرا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

○

غزلیں اور اشعار

غالب

قرض کی پیتے تھے مے اور سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

کہاں میخانے کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

میں نے کہا کہ بزم ناز غیر سے چاہئے تہی
سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو
اک تماشا ہوا گلہ نہ ہوا

وعدہ آنے کا وفا کیجئے یہ کیا انداز ہے
تم نے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے

ہم کو معلوم ہے جنّت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

حالی

شیخ رندوں میں بھی ہیں کچھ پاکباز
سب کو ملزم تو نے ٹھہرایا عبث
آ نکلتے تھے کبھی مسجد میں ہم
تو نے زاہد ہم کو شرمایا عبث

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیب و گناہ
کافر کہا واعظ نے انہیں اور گمراہ
جھوٹے کو نہیں ملتی شہادت جس وقت
لاتا ہے خدا کو اپنے دعوے پہ گواہ

واعظ آتا ہے تو آنے دو اُسے
پر مزا آنے کا یاں کیا پائے گا

آئے گا اور ہم کو شرمائے گا مُفت
اور خود شرمندہ ہو کر جائے گا
عیب سے خالی نہ واعظ ہے نہ ہم
ہم پہ منہ آئے گا منہ کی کھائے گا

اکبر الہ آبادی

ہم ریش دکھاتے ہیں کہ اسلام کو دیکھو
مس زلف دکھاتی ہے کہ اس لام کو دیکھو

اس ادا سے مسوں نے کہا 'کم آن'
تیر کی سی اب مجھ میں روانی ہے

سینے پہ بتوں کے دسترس مشکل ہے
'پوائنٹ' یہ سخت ہے اسے 'ٹچ' نہ کرو

ممکن نہیں اے مس تیرا نوٹس نہ لیا جائے
گال ایسے پری زاد ہوں اور کس نہ لیا جائے

بتوں کے پہلے بندے تھے مسوں کے اب ہوئے خادم
ہمیں ہر عہد میں مشکل رہا باخدا ہونا

باہم شبِ وصال غلط فہمیاں ہوئیں
مجھ کو پری کا شبہ ہُوا اُن کو بھوت کا

اس قدر تھا کھٹملوں کا چارپائی میں ہجوم
وصل کا دل سے مرے ارمان رخصت ہو گیا

اِک غُل مچا کہ اِس پہ بھی ہے لائیسنس ضرور
منہ کُھل چکا تھا ورنہ میرا آہ کے لیے

بھرتے ہیں میری آہ فوٹوگراف میں
کہتے ہیں فیس لیجیے اور آہ کیجیے

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبرؔ نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں
غریب اکبر نے بحث پروے کی
کی بہت کچھ مگر ہُوا کیا

نقاب الٹ ہی دی اُس نے یہ کہہ کر
کہ کر ہی لے مُوا میرا کیا

وصل ہو یا فراق ہو اکبر
جاگنا ساری رات مشکل ہے

وصل کی شب میں نے اس بت سے لڑائی تھی زباں
اس کا یہ ثمرہ ملا اُردو سے ہندی لڑ گئی

مجھ میں اظہارِ محبت ان میں اظہارِ کمال
میں وہاں رونے گیا اور وہ کہیں گانے گئے

اس بت کے در پہ غیر سے اکبر نے کہہ دیا
زر ہی میں دینے لایا ہوں جان آپ دیجئے

میری فغاں پہ مسِ ناشناس بول اُٹھی
کہ بابوؤں میں تو عادت ہے غُل مچانے کی

آپ کی فُرقت میں مَیں کل رات بھر سویا نہیں
لیکن اتنی بات تھی گاتا رہا رویا نہیں

ٹھن گئی آج یہی دل میں کہ پہنچوں اُن تک
یا میری خیر نہیں یا نہیں درباں کی خیر

خدا کے فضل سے بی بی میاں دونوں مہذب ہیں
حجاب اِن کو نہیں آتا، انہیں غصّہ نہیں آتا

اکبر نہ تھما بُت خانے میں
زحمت بھی ہوئی اور زر بھی گیا
کچھ نامِ خدا سے اُنس بھی تھا
کچھ ظلمِ بتاں سے ڈر بھی گیا

پروانے کا حال اس محفل میں
ہے قابلِ رشک اے اہلِ نظر
اِک شب میں ہی یہ پیدا بھی ہوا
عاشق بھی ہوا اور مر بھی گیا

کعبے سے جو بُت نکلے بھی تو کیا
کعبہ ہی گیا جب دل سے نکل
افسوس کہ بُت بھی ہم سے چھُٹے
قبضے سے خدا کا گھر بھی گیا

کیا گذری جو اک پردے کے عدو
رو رو کے پولیس سے کہتے تھے
عزّت بھی گئی دولت بھی گئی
بی بی بھی گئی، زیور بھی گیا

اکبر کے جو مرجانے کی خبر
ساقی نے سُنی تو خوب کہا
مرنا تو ضروری تھا ہی اُسے
رندوں کے لیے کچھ کر بھی گیا

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہُوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

سُوپ سی داڑھی لگا کر بن گئے لنگور سے
اس کو منڈواؤ میں باز آئی خدا کے نُور سے

تنگ دنیا سے دل اس دَورِ فلک میں آگیا
جس جگہ میں نے بنایا گھر سڑک میں آگیا
آسماں کو تو غلط ثابت کیا سائنس نے
عرش باقی تھا سو وہ بھی مدِ شک میں آگیا

ہم ایسی کل کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں
جنہیں پڑھ کر کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

دختر رز نے اٹھا رکھی ہے آفت سر پر
خیریت گذری کہ انگور کے بیٹا نہ ہُوا

شیخ کی دعوت میں مے کا کیا کام
احتیاطاً کچھ منگا لی جائے گی

ڈارون صاحب حقیقت سے نہایت دُور تھے
میں نہ مانوں گا کہ مُورث آپ کے لنگور تھے

چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ
کر کلر کی کھا ڈبل روٹی خوشی سے پھُول جا

شوق لیلائے سول سروس نے مجھ مجنوں کو
اتنا دوڑایا لنگوٹی کر دیا پتلون کو

ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جا کر

کوٹھی میں جمع ہے نہ ڈپازٹ ہے بینک میں
قلّاش کر دیا ہے مجھے دو چار تھینکس نے

مصیبت میں بھی اب یادِ خدا آتی نہیں تم کو
دُعا منہ سے نہ نکلی پاکٹوں سے عرضیاں نکلیں

قوم کے غم میں ڈِنر کھاتے ہیں حُکّام کے ساتھ
رنج لیڈر کو بہت ہے مگر آرام کے ساتھ

ہم کیا کہیں احباب کیا کارِ نمایاں کر گئے
بی اے ہوئے، نوکر ہوئے، پنشن ملی اور مر گئے

خلافِ شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں
مگر اندھیرے اُجالے میں چوکتا بھی نہیں

ہم اردو کو عربی کیوں نہ کریں اُردو کو وہ بھاشا کیوں کریں
بحثوں کے لیے اخباروں میں مضمون تراشا کیوں نہ کریں
آپس میں عداوت کچھ بھی نہیں لیکن اک اکھاڑا قائم ہے
جب اس سے ملک کا دل بہلے ہم لوگ تماشا کیوں نہ کریں

شیخ جی کے دونوں بیٹے باہنر پیدا ہوئے
ایک ہیں خفیہ پولیس میں ایک پھانسی پا گئے

مغربی ذوق ہے اور وضع کی پابندی بھی
اونٹ پر چڑھ کے تھیٹر کو چلے ہیں حضرت

میں بھی گریجویٹ ہوں تو بھی گریجویٹ
علمی مُباحثے ہوں، ذرا پاس آ کے لیٹ

اقبال

یہ کوئی دن کی بات ہے اے مردِ ہوشمند
غیرت نہ تجھ میں ہوگی نہ زن اوٹ چاہے گی
آتا ہے اب وہ دَور کہ اولاد کے عوض
کونسل کی ممبری کے لیے ووٹ چاہے گی

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں
مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدظن ہو گئے
وعظ میں فرما دیا کل آپ نے یہ صاف صاف
پردہ آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہو گئے

تہذیب کے مریض کو گولی سے فائدہ
دفعِ مرض کے واسطے 'پِل' پیش کیجئے
تھے وہ بھی دن کہ خدمتِ اُستاد کے عوض
جی چاہتا تھا ہدیۂ دِل پیش کیجئے

بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کہتا ہے ماسٹر سے کہ بل پیش کیجئے

رات مچھر نے کہہ دیا مجھ سے
ماجرا اپنے ناتمامی کا
مجھ کو دیتے ہیں ایک بوند لہو
صلہ رات بھر کی تشنہ کامی کا
اور یہ بسوہ دار بے زحمت
پی گیا سب لہو اسامی کا

ممبری امپیریل کونسل کی کچھ مشکل نہیں
ووٹ تو مل جائیں گے پیسے بھی دلوائیں گے کیا
مرزا غالب خدا بخشے بجا فرما گئے
"ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھائیں گے کیا؟"

تکرار تھی مزارعے اور مالک میں ایک روز
دونوں یہ کہہ رہے تھے کہ مرا مال ہے زمیں

کہتا تھا وہ کرے جو زراعت اسی کا کھیت
کہتا تھا یہ کہ عقل ٹھکانے تری نہیں

پُوچھا زمیں سے میں نے کہ ہے کس کا مال تو
بولی مجھے تو ہے فقط اس بات کا یقیں

مالک ہے یا مزارعہ شوریدہ حال ہے
جو زیرِ آسماں ہے وہ دھرتی کا مال ہے

ریاضؔ خیر آبادی

کمبخت نے شراب کا ذکر اس قدر کیا
واعظ کے منہ سے آنے لگی بُو شراب کی

سایۂ طاق میں واعظ کو جگہ دی ہم نے
آج شیشے میں اُسے ہم نے اتارا کیسا
قرض لایا ہے کوئی بھیس بدل کر شاید
مے فروشوں کو ہے واعظ سے تقاضا کیسا

میکدے میں عید مجھ مُفلس کی ہو جائے ریاضؔ
دے کے اِک چُلّو کوئی لے تیس روزوں کا حساب

ڈراتا ہے ہمیں محشر سے تو واعظ ارے جا بھی
یہ ہنگامے تو ہم نے روز کوُئے یار میں دیکھے

پاک و صاف ایسی ہے جس نے پی فرشتہ ہوگیا
زاہدو! یہ حور کے دامن میں ہے چھانی ہوئی

کہتی ہے اے ریاضؔ درازی یہ ریش کی
ٹٹّی کی آڑ میں ہے مزا کچھ شکار کا

وہ بھی بخشے گئے ہم بادہ کشوں کے ہمراہ
آج جنّت میں ہمیں ناصحِ مغفور ملے

اُتر گئی سرِ بازار شیخ کی پگڑی ما
گرہ میں دام نہ ہوں گے ادھار پی ہوگی!

شیخ جی ڈوب گئے تھے حوض میں میخانے کے
ڈوب کر چشمۂ کوثر کے کنارے نکلے

نیچے سے داڑھی نے آبرو رکھ لی
قرض پی آئے اِک دوکان سے آج

جنابِ شیخ نے جب پی تو منہ بنا کے کہا
مزا بھی تلخ ہے کچھ بُو بھی خوشگوار نہیں

یہ اُلجھے ہیں رندوں سے کیوں شیخ صاحب
بڑھاپے میں کیوں داڑھی رنگوا رہے ہیں

شیخ صاحب کیا چھپا کر لے چلے رومال میں
کچھ نہ کچھ حصّہ رہے یاروں کا بھی اس مال میں

مے چھین کر کسی سے جو پیتے تو تھی خطا
جب دام دے کے پی تو گنہ کیا کسی کا تھا

اُٹھے کبھی تو گھبرا کے میخانے سے ہو آئے
پی آئے تو پھر بیٹھ رہے یادِ خدا میں

آئیں گے جب فرشتے تو منہ کھُلے گا اس کا
بوتل کوئی چھپا کر رکھ دے مرے کفن میں

شیخ یہ کہتا گیا پیتا گیا
ہے بہت ہی بدمزا اچھی نہیں

شیخ نے مانگی ہے اپنی عمر کی
میکدے سے اب پرانی جائے گی

بانس پر میکدے میں تجھ کو چڑھایا اے شیخ
پھر بھی اونچے تیری مسجد کے منارے نکلے

چُن چُن کے آج شیخ نے انگور کھا لیے
اب کیا رہا ہے تاک کا حاصل نکل گیا

اک ٹیپ ماری زور سے زاہد کے اے ریاضؔ
اب ہاتھ مل رہے ہیں کہ اچھی پڑی نہیں

واعظ انگور میں ہے دُخترِ رز رو بہ نقاب
آنکھیں پھوٹیں جو اُدھر تاک لگائے کوئی

ہمارا عیب کھلتا ہے نہ کھلتی ہے چھپی بوتل
ہمارے کام کیا کیا جامۂ احرام آتا ہے

بڑے موقع سے تھی ہر چند وہ جنت سے باہر تھی
حرم سے ہٹ کے رستے میں ملی مے کی دکاں مجھ کو

اچھی پی لی خراب پی لی　　جیسی پائی شراب پی لی
عادت سی ہے نشہ ہے اب نہ کیف　　پانی نہ پیا شراب پی لی

اس شیخِ کہن کی اللہ رے بزرگی
جنت میں بھی یہ جا کے جواں ہو نہیں سکتا

جلوۂ ساقی و مے جان لیے لیتے ہیں
شیخ جی ضبط کریں تو، ہم پئے لیتے ہیں

اچھوتے جام ہیں جنت میں کچھ الگ رکھے
کسے پلائیں، کوئی پارسا نہیں ملتا

سر ہے ترا بجائے سبو جھوٹ کیوں کہوں
واعظ حرام چیز کبھی میں نے پی نہیں

بن کے مہماں ایک رِندِ روزہ دار آنے کو ہے
شام ہونے کو ہے میرے گھر اُدھار آنے کو ہے

کام میخانے کا ہو جائے گا بند
چشمِ ساقی کی حیا اچھی نہیں

بُری کیا تھی فاقہ مستی بڑے لطف سے گزرتی
لیے کچھ جو مے کی تلخی غمِ روزگار ہوتا

سنجیدگی سے محفلِ ساقی میں بات کی
ناصح سے بے وقوف بھی عاقل نکل گیا

احمق پھپھوندوی

پڑھ کے انگریزی دماغ اس کا فلک پر ہو گیا
جانتا ہے خود کو باورچی کہ بٹلر ہو گیا

میں اور دل تم کو دے دوں یہ کہا کیا
عدو کی طرح ہوں میں بھی گدھا کیا
ہمارا دل ہے ہم چاہے جسے دیں
میاں ناصح تمہارے باپ کا کیا

سارے جہاں کا حال زمانے کی داستاں
خط کیا ہُوا رقیب کا اخبار ہو گیا

انہوں نے احمق مخبوط کو دیکھا تو فرمایا
ہمارے چاہنے والوں کی صورت ایسی ہوتا ہے

یوں چلے آئے ادھر یہ لوگ کالج چھوڑ کر
ریل پر کلیوں کی اس بہتات کو دیکھا کرو

صاف کہہ دو گر نہیں ملنا یہ ٹرخاتے ہو کیوں
آج کل ہی ہوتے ہوتے اِک مہینہ ہو چکا
اِک طرف قہر، فلاکت، اِک طرف ٹیکس و پولس
ہے اگر جینا یہی بھائی تو جینا ہو چکا

اس کو بھی کبھی انجمن میں بلاؤ
سب ہوتے ہیں واعظ بیچارا ہی نہیں ہوتا
تنخواہ بھی ہے سوغات بھی ڈالی بھی ڈنر بھی
صاحب کا مگر پھر بھی گذارا نہیں ہوتا

یا خدا یوں ہی محلّے میں رہے چوروں کا زور
بستر ان کا روز بچھتا ہے مرے بستر کے پاس

مجھے قتل کر کے پشیمانیاں ہیں!
یہ پا لیسیاں ہیں کہ نادانیاں ہیں!

یوں خوش ہیں سب کو اپنا طلبگار دیکھ کر
جیسے طبیب شہر کے بیمار دیکھ کر
غافل ہوا میں اور تراشی انہوں نے جیب
خاموش ہیں ابھی مجھے ہشیار دیکھ کر
بیمارِ غم کی موت کا تھا سخت انتظار
دوڑے وہ ڈاکٹے کی طرف تار دیکھ کر

ان کی فرمائش ہے لا دو ساریاں
تک رہی ہیں مُنہ میری ناداریاں
جب ملے غم میں اضافہ کر دیا
کیا یہی ہیں آپ کی غم خواریاں

نکال جلد نہ کر مول تول اے ساقی
ہوا ہی چاہتا ہے کنٹرول اے ساقی

شریف لوگ بھی ہوتے ہیں پینے والوں میں
ہر ایک سے اچھا نہیں ٹٹھول اے ساقی

دوزخ اے زاہدِ مغرور ہے پھر کس کے لیے
واقعی تو بھی اگر داخلِ جنّت ہو گا

یہ سمجھ کر بھی بغیر اس بزم کے سیری نہیں
ان کے ہاں کتّے کی عزّت ہے مگر میری نہیں

بحقائے مسلسل بنا دے نہ قیمہ
ضروری ہے اب عشق میں جان بیمہ
ملاقات کی صورت ان سے کہاں تھی
بڑے کام کی چیز نکلا سنیما
ابھی جمع ہے بنک میں کیش جب تک
غلط ہے کہ ہو عشق کا جوش دھیما

وصل کی شب کیا ہی برگشتہ مقدر ہو گیا
جس پہ آنے کو تھے وہ موٹر ہی پنکچر ہو گیا
تھا جو پلّے دو ہی پھیروں میں برابر ہو گیا
ریس کا سرکل میری قسمت کا چکّر ہو گیا
آجکل اس فن میں ہے سب سے زیادہ دستِ غیب
کھُل گئی قسمت جہاں انسان لیڈر ہو گیا
میں نے ہی احمق سے گدھا ہونے پہ کرلی اِکتفا
ورنہ آخر ڈارون بھی تھا جو بندر ہو گیا

ظریف دہلوی

شبِ فراق جسے عاشقی میں کہتے ہیں
وہ رات خود نہیں آتی بلائی جاتی ہے

ہجومِ عاشقاں دیکھا جو دروازے پہ وہ بولے
ہمیں یہ ٹیم تو آل انڈیا معلوم ہوتی ہے

مجھے دفتر سے اور گھر سے تو فرصت ہی نہ ملتی تھی
گناہ پھر کب کئے آخر کراماً کاتبین میں نے
بتایا اس طرح پر لطف قصہ اپنی اُلفت کا
فسانہ تھا کسی کا اپنی باتیں ٹھونس دیں میں نے

عشاقِ سلف میں اور ہم میں تعلیم کے باعث فرق یہ ہے
وہ ہجر میں رویا کرتے تھے، ہم ہجر میں گایا کرتے ہیں

وہ دِل میں گھس رہے ہیں اور میں محسوس کرتا ہوں
کہ سِنگاپور میں جاپان داخل ہوتا جاتا ہے

ظریف لکھنوی

شیطاں کی جو آنت سے ہوتا مقابلہ
کھل جاتا حال آپ کی زلفِ دراز کا
قاصد کو نام دے دیا یہ کہہ کے یار نے
یہ خط لکھا ہوا ہے کسی جعلساز کا

عاشقِ بے تاب یوں لوٹا کہ رولر ہو گیا
کوچۂ جاناں کا اب تختہ برابر ہو گیا
اُن کی مُٹھی میں، کبھی سینے کے پنجرے میں رہا
دل میرا آدھا بٹیر اور آدھا تیتر ہو گیا

عُشاق کہیں کھینچ نہ لیں ٹانگ پکڑ کر
اس خوف سے معشوق لبِ بام نہ آیا

مجنوں یہ پوچھتا تھا لیلےٰ کے ساربان سے
بتلاؤ مول لائے یہ اونٹ تم کہاں سے

شعلہ بار آہیں بھی کیں گھوما کئے مضطر بنے
گردشِ تقدیر عاشق بن کے گھن چکر بنے
تیز رفتاری کمندِ ناز کی بڑھ جائے اور
زُلفِ پیچاں کا اگر اُس کے لیے ہنٹر بنے
کیوں نہ ساقی کی صراحی دار گردن دیکھ کر
میکشِ نادار کا کلھیا سامنہ ساغر بنے
بے عمل عالم اگر ساری کتابیں چاٹ جائے
آدمی تو بن نہیں سکتا وہی جھینگر بنے

یار گویا اِک مسالہ پیسنے کی سِل بھی ہے
جب تو بٹّے کی طرح پتھر کے اس کا دل بھی ہے
جس جگہ پر ہو بڑی سودائیوں کا اِک ہجوم
ہے وہ پاگل خانہ بھی اور یار کی محفل بھی ہے

پوچھ گچھ کرنے کو مُردے سے نکیرین آئیں گے
پھر تو اِک تھانہ پولیس کا قبر کی منزل بھی ہے

جب دہن غائب کمر معدوم نکلا یہ حساب
حُسن میں معشوق کے زیرو بھی ہے اور نِل بھی ہے

ظریف جبل پوری

ہمارا قبر کے تختے چُرا کے کہتے ہیں
ہے کنٹرول کی لکڑی گراں نہیں معلوم ہوتی

ہم آپ ہوں گے نہ ہو گا عدو رہے گی کمی
کہ جیسے تانگے میں اک بم نہیں تو کچھ بھی نہیں

عقل درست ہو گئی مہنگائی کے سبب
سب بیوقوف جنگ میں چالاک ہو گئے

کپڑا رُوپوش ہے عُریانی چھپائیں کب تک
چند ایک دن میں لنگوٹی اُتر جائے گی

اِک غیر تھا کہ پا گیا دس سال کی سزا
اب کوئی درمیان میں حائل نہیں رہا

پڑھتے پڑھتے، ہو گئے کالج سے اوور ایج ہم
نوکری کرنے کا بھی اب، ہم کو ڈر جاتا رہا

ہری چند اختر

شیخ و پنڈت دھرم اور اسلام کی باتیں کریں
کچھ خدا کے قہر کچھ انعام کی باتیں کریں
یہ سُنائیں پاک نغمے اوّلیں الہام کے
وہ خدا کے آخری پیغام کی باتیں کریں
ہم کھڑے سُنتے رہیں اور دل میں یہ کہتے رہیں
اب یہ رُخصت ہوں تو کچھ کام کی باتیں کریں

تو میرے اعمال کا پابند نکلا حشر میں
اے خدا، میرے خدا، تجھ کو خدا سمجھا تھا میں

وہی ہے اپنی رندی اور وہی واعظ کی فہمائش
بُری عادت کوئی بھی ہو بہ آسانی نہیں جاتی

نمودِ خیر و شر کا نتیجہ کس نے سوچا تھا
خدا مفرور آدم جاں بلب شیطان باقی ہے

عبدالباری آسی

جنابِ شیخ بھی چپکے سے کہہ گئے آخر
شراب رات کو اکثر حلال ہوتی ہے

شیخ مسجد میں گئے صاحب کلب میں ڈٹ گئے
ہم کسی قابل نہ تھے مجبور ہو کر ہٹ گئے

دِل میں اِدھر ہو جوش اُدھر شانتی بھی ہو
اس پالسی کو قوم مگر مانتی بھی ہو

خیالِ قوم ہے ہر وقت اور بندہ ہے
سوائے اس کے کوئی کام ہے نہ دھندہ ہے
جو جوشِ قوم بڑھائے وہ ہے میری اسپیچ
جو ہوش اڑائے جہاں کے وہ ان کا چندہ ہے

غلط فہمی کا فیشن سے ازالہ ہو نہیں سکتا
کوئی گورا کسی کالے کا سالا ہو نہیں سکتا

جنابِ شیخ بھی ہنس ہنس کے چپکے چپکے کہتے ہیں
پُڈنگ اچھا ہے، حلوہ اس سے اعلیٰ ہو نہیں سکتا

مرے سوزِ دروں کو مجھ سے سُن کر ڈاکٹر بولا
کہ ناممکن ہے ہرگز دِل میں چھالا ہو نہیں سکتا

سلطان احمد شہباز

کیا حل ہُوا ہے غلّے کی قلت کا مسئلہ
شہباز آؤ ہاتھ ملاؤ پلاؤ کا
تجویز پاس کر کے زیادہ اگاؤ کی
بِل پیش کرنے والے ہیں وہ کم جناؤ کا

مفلس کا جو ہمدرد ہو مزدور کا غم خوار
ایسا کوئی بِرلا کوئی ٹاٹا نہیں ملتا
جُوتے تو بہت ملتے ہیں اے حضرتِ واعظ
باٹا کی دُوکان سے پر مگر آٹا نہیں ملتا۔

جھونپڑی میری ہر چند اے شہباز
ٹوٹی پھوٹی تھی اور چھوٹی تھی
پھر بھی کسٹوڈین سے کیوں بچتی
بھاگتے بھوت کی لنگوٹی تھی

پہنچا جو سول کورٹ میں اِک روز میں شہباز
کہنے لگا اِک شخص وکالت کی زباں میں
نادان یہاں حق کی طلب ہے تجھے ناحق
حق کہتے ہیں رشوت کو عدالت کی زباں میں

دیکھا جو مجھ کو کورٹ میں کہنے لگے کلرک
یارو شکار آیا ہے اِس کو کھسوٹ لو
جمشید جی یہ بولے کہ موٹا ہے یہ کساں
رشوت میں اس سے بڑھیا سی بیلوں کی جوٹ لو
فرمایا جیکسن نے کہ جھنجھٹ میں مت پڑو
سیدھی سی بات ہے کہ سو سو کے نوٹ لو
بولے یہ شیر سنگھ کہ بُزدل ہیں آپ لوگ
میری تو رائے یہ ہے کفن بھی کھسوٹ لو
جُمّن نے کانپ کر کہا یارو کرو نہ شور
جو کچھ بھی تم کو لینا ہے پردے کی اوٹ لو

نتھو کڑک کے بولے کہ ڈر کی ہے بات کیا
اپنا ہی تو اب راج ہے ڈنکے کی چوٹ لو

آتے ہی فصلِ سرما ہر سمت عورتوں نے
سب بند کر دیئے ہیں دُنیا کے کام دھندے
بُنتی ہیں اِک سویٹر، سیتی ہیں اِک رضائی
یہ ڈالتی ہے ڈورے وہ ڈالتی ہے پھندے

بیڈھب بدایونی

کیا وہ ہر جائی مجھے ڈھونڈے ملے گا جو کبھی
ایک سو دس میں گرفتار نہ ہونے پایا
بارہا بیٹھ گئے ہار کے چونگے والے
راستہ عشق کا ہموار نہ ہونے پایا
کوئی انسان ہے بے مہر کہ، طاعون ہے تو
کبھی جانبر تیرا بیمار نہ ہونے پایا

جو نہ شوقین ہوا ایسا نہیں دلبر کوئی
پالتا ہے کوئی بلبل تو کبوتر کوئی
بیسیوں چاہنے والوں کی ضرورت کیا ہے
ناز اٹھواؤ گے تم ان سے کہ چھپر کوئی

اِک آہِ آتشیں میں ڈبل کام ہو گیا
ان کو بخار غیر کو سرسام ہو گیا
دو سیر باجرے کا ملیدہ اُڑا گئے
لالہ کا پیٹ کیا ہُوا گودام ہو گیا

جگت الہ آبادی

ایک دن رویا برائے امتحاں میں ناتواں
سو سمندر ساٹھ نالے لاکھ دریا بہہ گئے

دونوں رُخسار عنایت کریں اِک اِک بوسہ
اب میرے واسطے سرکار سے چندہ ہو جائے

رُوٹھا ہے مجھ سے میرا صنم ہائے باپ رے
کہنے لگا ہے چرخِ ستم ہائے باپ رے
بالائے طاق وصل کی اُمید ہو گئی
چھاتی سے لگ کے بولا صنم ہائے باپ رے

حسینوں کی نظر مجھ سے لڑی ہے
لڑھے یا میری قسمت لڑی ہے

ان شعراء سے معذرت کے

ساتھ جن کا کلام جگہ کی کمی

کے باعث اس کتاب کی زینت

نہ بن سکا

عنایت اللہ حجام

کل میاں حجام سب کا مونڈتے پھرتے تھے سر
آج اس کوچے میں ان کی بھی حجامت ہو گئی

اُس شوخ کے کوچے میں نہ جایا کرو حجام
چھن جائیں گے اِک روز یہ اوزار تمہارے

شیخ رخسار سے لیتا ہے مزے خوباں کے
بہتر اس شُغل سے حجام ہُنر کیا ہو گا

رقیبوں پر میاں پڑتا ہے تب سو سو گھڑے پانی
بُلا حجام کو جس روز تم حمام کرتے ہو

کیوں مجھ کو ستاتی ہے تو اے گردشِ گردوں
میں نائی کا بیٹا ہو کہیں سر نہ رگڑ دوں

خط آنے سے بھی اپنی رسائی نہیں وہاں
حجام کس طرح سے ملیں کیا ہنر کریں!

وجاہت جھنجھانوی

مُرغ کے ہمراہ دیتا ہے موذن بھی اذاں
آدمی کوئی اگر ہو جانور اتنا تو ہو
باوا آدم خُلد سے نکلے تھے ہم گھر سے ترے
قصّہ کوتاہ باپ کا پیرو پسر اتنا تو ہے

اب ٹھکانا ہے یہیں عشق کے دکھیاروں کا
کوچۂ یار شفاخانہ ہے بیماروں کا
پاسِ شیریں تھا جو فرہاد نے کاٹا کُہسار
ورنہ یہ کام ہے مزدوروں کا معماروں کا

مقتل میں غیر آنہ سکا ڈر کے ہٹ گیا
بزدل نہیں تھا بزتھا کہ یوں صاف کٹ گیا
حاضر ہُوا نہ حشر میں اچھا نبٹ گیا
اس غیر حاضری میں میرا نام کٹ گیا

نامِ رقیب میں نے لفافے پہ لکھ دیا
کچھ غم نہیں ہے خط جو نہیں بے ٹکٹ دیا

واعظ کی گت بنائی تھی رندوں نے بے طرح
یہ جانتے تھے اس بس پاپ کٹ گیا
لیکن وہ دم چرائے پڑا تھا زمین پر
رِندوں نے پُشت پھیری تو اُٹھ کر جھپٹ گیا

جنت میں بسر ہو گی نہ حوروں سے ہماری
سُنتے ہیں وہاں کا تو رواج اور ہی کچھ ہے

سوڈا واٹر ہو کہ انگور وغیرہ کا نچوڑ
پیاس لگتی ہے تو پی لیتے ہیں، ہم ہر پانی

دل رہا بچکر نگاہِ ناز سے
لے گیا بازی کبوتر باز سے

⊙

سیّد ضمیر جعفری

پن کھلا ٹائی کھلی بکلس کھلا کالر کھلا
کھلتے کھلتے ڈیڑھ گھنٹے میں کہیں افسر کھلا

آٹھ دس کی آنکھ پھوٹی آٹھ دس کا سر کھلا
لو خطیبِ شہر کی تقریر کا جوہر کھلا

سچ ہے مغرب اور مشرق ایک ہو سکتے نہیں
اُس طرف بیوی کھلی ہے اِس طرف شوہر کھلا

تیرگی قسمت میں آتی ہے تو جاتی ہی نہیں
میرے گھر کے بالمقابل کوئلہ سینٹر کھلا

کوئی ٹوکے روکے ان کو یہ بھلا کس کی مجال
مولوی گل شیر ہے قصبے میں شیرِ نر کھلا

ان کا دروازہ تھا مجھ سے بھی سوا مشتاقِ دید
میں نے باہر کھولنا چاہا تو وہ اندر کھلا

آدمی احساسِ منصب کے مطابق قید ہے
دیکھ لو ڈپٹی کمشنر بند ہے ریڈر کھلا

مجید لاہوری

زاہد کو سکھا دیجئے آداب یہ مجلس کے
پیتے ہیں شراب اوّل کھاتے ہیں کباب آخر

رہ گیا اب ڈِنر تک ساری تقریروں کا زور
قوم ہے ہوٹل سے باہر لیڈری ہوٹل میں ہے

بینک بیلنس، بیوک، بنگلہ، بیگمات
کتنی مہنگی لیڈری ہے آج کل
واہ یکطرفہ ٹریفک کا کمال
ہر سڑک تیری گلی ہے آج کل

اردو شاعری کی بہترین کتاب

متاعِ سُخن

پاک و ہند کے مشہور و معروف شعراء کا منتخب کلام

ترتیب

ڈاکٹر عبد الحق صاحب

ناشران

مکتبہ جہانِ اُردو سمن آباد - لاہور

قیمت - / ۲۱ روپے

نقوشِ زریں

پاک و ہند کے مشہور و معروف شاعروں کے
منتخب اشعار بقیدِ عنوان و ادوار

○

مرتبہ

آزردہ دہلوی

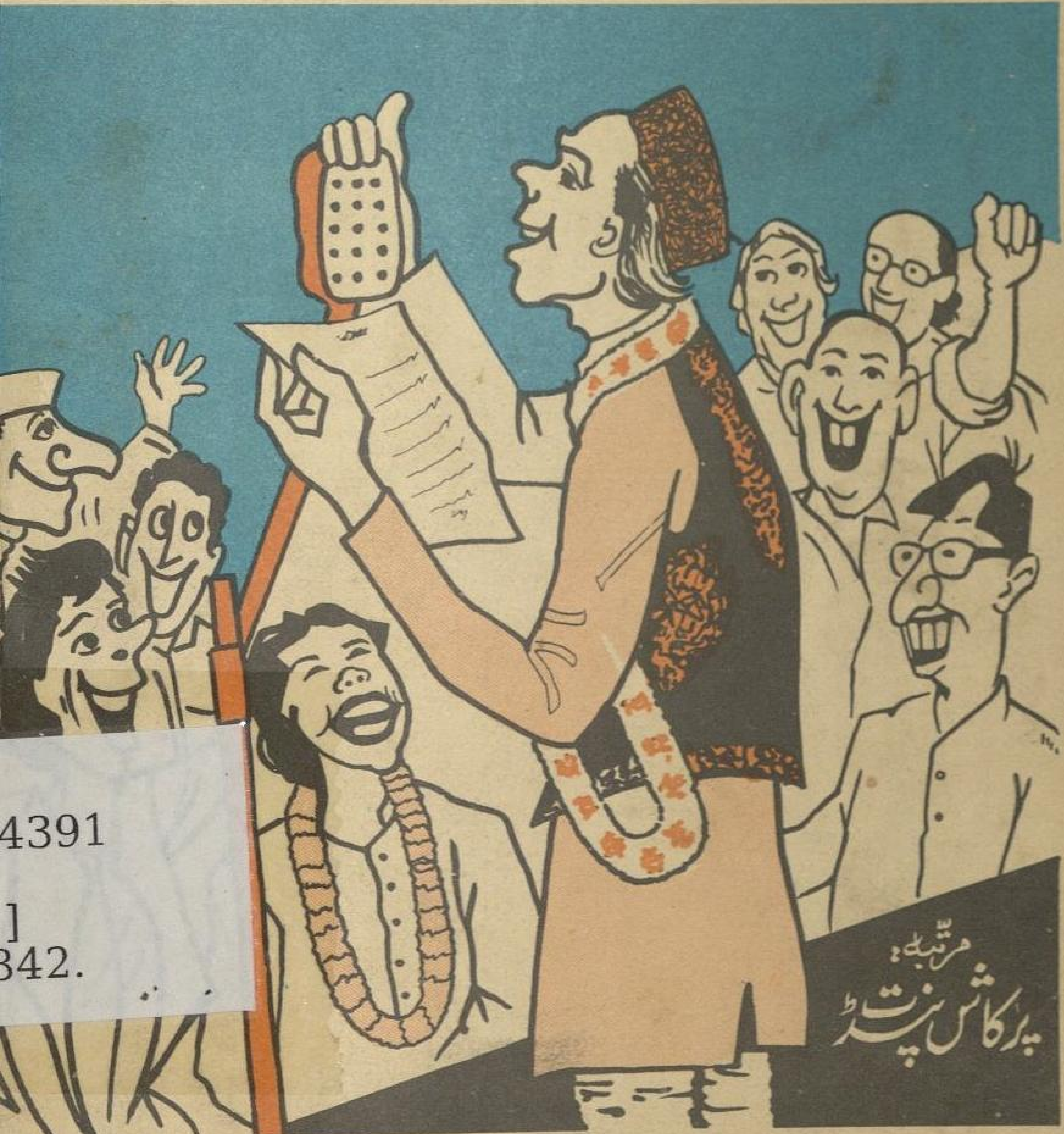
○

ناشران

مکتبۂ جہانِ اردو سمن آباد۔ لاہور

قیمت ۱۵/- روپے

اردو کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری



مرتبہ:
پرکاش پنڈت